بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

الجواہر التّوحیدیّہ
فی
تعلیماتِ الغوثیّہ

از رشحاتِ قلم

علّامہ پیر سیّد نصیر الدّین نصیؔر گیلانی

سجادہ نشین آستانۂ عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسُولہِ الکریم امّا بعد:

قارئینِ محترم! حضرت پیرانِ پیر الشیخ سیّد عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی علیہ الرحمۃ کا عرس مبارک پورے عالمِ اسلام میں تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔جس طرح آپ کی تعلیمات اور تبلیغ کو مُوہبِ حقیقی کی بارگاہ سے عالم گیر تاثیر عطا ہوئی، اسی طرح آپ کی شخصیت کو بھی پورے عالمِ اسلام میں ایک خاص پذیرائی اور اثر انگیزی حاصل ہوئی۔

ذٰلک فضل اللہِ یو ئیہِ من یشآءُ

یوں تو صوفیائے کرام کی تعلیمات اور دینی تبلیغ کے اعتبار سے ان کی مساعیِ جمیلہ اوراقِ تاریخ پر تا ابد چمکتی رہیں گی، یہ وہ حقیقت ہے جسے کوئی تعلیم یافتہ اور معقول انسان جھٹلا نہیں سکتا۔لیکن جب ہم قرآن وسنّت کی بالخصوص اُن تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں جن کا براہِ راست توحید اور اسکے متعلّقات سے گہرا تعلق ہے اور دنیائے تصوّف میں ہمارے سامنے اگر کوئی شخصیت امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر

نظر آتی ہے، تو وہ بلاشبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہی کی شخصیت ہے۔ ہمارا یہ نقطۂ نظر محض اندھی عقیدت کا نتیجہ نہیں بلکہ حضرتِ شیخؒ کی تعلیمات وتشریحات اِس پر شاہدِ ناطق ہیں جو بحمد اللہ آج بھی کتابی صورت میں اُمّت کے پاس موجود ہیں اور معتبر وثقہ ہاتھوں سے اربابِ فکر ونظر تک پہنچی ہیں۔

بعض صوفیائے کرام نے قلبی واردات اور باطنی مکشوفات کے حوالے سے تصوّف میں کچھ اصطلاحات وضع کر دیں، جن کے سبب کثیر ذہن اُن کے معانی ومطالب تک نہ پہنچنے کے باعث اُلجھ کر رہ گئے اور منکرین ومخالفینِ تصوّف نے تو سرے سے انہیں غیر ضروری بلکہ باطل ہی قرار دے دیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔صورتِ حال جو بھی ہو، ہمیں حضرت پیرانِ پیرؒ کے مواعظ وتصنیفات میں اِس طرح کی کوئی مُبہم چیز نظر نہیں آتی، جسے عوام اہلِ اسلام کے لیے غیر ضروری اور غیر مفید کہہ کر ترک کر دیا جائے بلکہ آپ کی تعلیمات ایک ماہر وحاذق حکیم کے مجرّبات کی طرح عوام وخواص کے لیے ضروری بھی ہیں اور مفید بھی ہیں، کیونکہ وہ براہِ راست آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویّہ سے ماخوذ ہیں جن کا انکار ایک مسلمان کے لیے ممکن نہیں۔شیخؒ کا یہ وہی اندازِ تعلیم ہے جس نے انہیں دیگر صُوفیاء سے ممتازانہ حیثیت کا حامل بنا دیا۔ چونکہ اسلام دینِ فطرت ہے اور ایک ایسا سیدھا سادہ نظامِ حیات ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی اور اُلجھاؤ نہیں ہے، انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر مسئلہ کو بڑے آسان اور دِل نشیں پیرائے

میں واضح کر دیا گیا ہے۔ ہمارے اِس دعوٰی کا زندہ ثبوت قرآنِ مجید کی آیاتِ بیّنات اور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیثِ مبارکہ ہیں، قرآن و سنّت کے اسی پُر اثر اور سادہ اُسلوبِ اِفہام کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت پیرانِ پیرؒ نے چالیس سال بغداد کے منبر پر مواعظ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے عوام وخواص کو اُن کے مرتبۂ فہم کے مطابق دین کے خزائن سے مالا مال فرمایا، بالخصوص عقیدۂ توحید کے اُن تمام پوشیدہ گوشوں پر روشنی ڈالی، جن سے خواص بھی آگاہ نہ تھے۔ آپ نے اپنے مواعظ وخطبات کے ذریعے عوام وخواص کے ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والوں کو جھنجھوڑا اور اُنہیں ایک طویل غفلت سے بیدار کر کے شاہراہِ ادراک پر پوری دینی قوت اور اسلامی فہم وفراست کے ساتھ گامزن کر دیا۔

حضرتِ شیخ کا معیارِ تبلیغ

حضرت شیخؒ کے معیارِ تبلیغ اور ہندوستان میں تشریف لانے والے صُوفیائے کرام کے اندازِ تبلیغ میں جو ایک بنیادی فرق نظر آتا ہے، وہ یہ کہ ہندوستان میں صُوفیاء کے لیے تبلیغ نسبتاً آسان تھی اِس لئے کہ یہاں جو اقوام آباد تھیں اُن کو دین کی ابجد تک کا علم نہ تھا، اِس لئے صُوفیاء نے اُنہیں اپنے حُسنِ اخلاق اور بلندیٔ کردار سے اِس قدر متاثر کیا کہ وہ اُن کے گرویدہ ہو گئے اور بچّوں کی طرح تعلیم حاصل کرنے کیلئے اُن کی درس گاہوں میں درس لینے لگے۔ ایسے میں وہ دینی مسائل اور قرآن وسنّت کے دلائل

کے بارے میں صُوفیاء کے ساتھ علمی طور پر بحث وتمحیص کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ کیونکہ اِس سلسلے میں اُن کا علم نہ ہونے کے برابر تھا جبکہ بحث کیلئے غیر معمولی علم اور معلوماتی ذخیرہ درکار ہوتا ہے، جو بلاشُبہ اُن کے پاس نہ تھا، لہٰذا اُن لوگوں نے صُوفیاء کی تعلیمات سے اُلجھے بغیر اُنہیں تسلیم کر لیا اور سیدھے سیدھے مسلمان بن کر اسلامی زندگی گزارنے لگے اگر کچھ کٹ حُجت اور کم فہم لوگوں نے مذہبی حمیّت کے جنون میں صُوفیاء سے مُقابلہ کرنے کی کوشش بھی کی تو اُنہیں کسی نہ کسی مرحلے پر حسّی کرامات نے گردنِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ جبکہ اِس کے برعکس بغداد جیسے شہر میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کیلئے عقائدِ باطلہ کا رد اور احقاقِ حق اِس سے کہیں سخت مشکل کام تھا کہ پورا بغداد مدینۃ العلوم ہونے کے سبب مختلف الخیال علماء، فقہاء، فلاسفہ، مناطقہ، ماہرینِ علمِ کلام، صرف، نحو، معانی و بیان اور دیگر اسلامی علوم کی سربرآوردہ شخصیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چپے چپے پر علوم وفنونِ اسلامیہ کی درسگاہیں کُھلی ہوئی تھیں۔ محدّثین وفقہاء ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ معتزلہ اور باطنیہ جیسے بیسیوں فرقے اپنی اپنی صداقت پر قرآن و سُنّت سے دلائل کا ذخیرہ جمع کئے ہوئے عوام وخواص کو اپنے اپنے جال میں پھنسانے میں مصروف تھے، جیسا کہ آج کل بھی یہی ہو رہا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نہ صرف یہ کہ ان تمام باطل مسالک سے تنہا نبرد آزما رہے، بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں، ذہانت، جذبۂ استعانت باللہ اور اپنے غیر معمولی علمی تبحر جیسے آلاتِ حرب سے آپ نے

اعدائے دین کی کمر توڑ ڈالی۔ رُوحانی تصرّف اور شخصیّت کی جاذبیّت کا یہ عالم تھا کہ پورے بغداد کے علماء و مشائخ کی اکثریّت آپ کے حلقۂ وعظ میں شریک ہوتی تھی بلکہ بعض دفعہ کچھ اربابِ علم (ابنِ جوزی وغیرہ) محض امتحان کی نیّت سے آپ کی مجلسِ وعظ میں شریک ہوتے تو فصاحت وبلاغتِ مرتضویؓ کے وارث کی زبان سے علوم وحقائق کے چشمے پھوٹتے دیکھ کر وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ عربی کا ایک مصرعہ ہے ؎

والفضل ما شهدت به الاعداء یعنی کمال وہ ہے جس کی شہادت دشمن دے۔

اپنے تو اپنے حضرت شیخؒ کی فضیلت کو اُن سربرآوردہ روزگار اشخاص نے بھی بہ سروچشم تسلیم کیا جو آسانی سے کسی کی عظمت ماننے والے نہ تھے اِسی حقیقت کو شیخ سعدی علیہ الرّحمتہ یوں بیان فرماتے ہیں ؎

تواضع زِ گردن فرازاں نکوست　　گدا گر تواضع کُند خوئے اوست

کراماتِ شیخ کی نوعیّت

چنانچہ آپؒ کی کرامات کی صداقت و کثرت پر مورّخین نے لکھا ہے کہ شیخ الاسلام عزّ الدین بن عبدالسلام اور امام ابنِ تیمیہ کا قول ہے کہ ''شیخ کی کرامات حدِّ تواتر کو پہنچ گئی ہیں'' ان میں سب سے بڑی کرامت مُردہ دلوں کی مسیحائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلبی توجہ' اخلاصِ نیّت اور تاثیرِ زبان کی وہ نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی تھی کہ

آپ کا وجودِ مسعود گلشنِ اسلام کیلئے ایک بادِ بہاری تھا، جس نے انسانی قلوب کے قبرستان میں حیاتِ نو کی لہر پیدا کر دی تھی۔ یادِ الٰہی کے ذوقِ غیر فانی نے آپ کی دنیائے دل کو ایسا آباد کر دیا تھا کہ بغداد جیسے معمور شہر پر جنگلوں اور صحراؤں کو ترجیح دیتے تھے۔ جبائی کا بیان ہے کہ ایک دن شیخ نے مجھ سے فرمایا میری تمنا ہوتی ہے کہ پہلے زمانہ کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے اور نہ میں اُسے دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، ناچار مجھے شہر میں رہنا پڑتا ہے۔

حُسنِ خُلق

حُسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ آپؒ کا حکم ہوتا تھا کہ رات کو وسیع دسترخوان بچھے مہمانوں کے ساتھ خود بھی کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے، طلبہ پر انتہا درجہ مہربانی فرماتے، اُن کی باتیں سُنتے، ضروریات پوری فرماتے اور اُن کی باتیں برداشت فرماتے، ہر شخص یہ سمجھتا کہ شیخ سب سے زیادہ اُس پر مہربان ہیں۔ ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا اُس کا حال دریافت فرماتے۔ لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرماتے، اگر کوئی کسی بات پر قسم کھا لیتا تو اُسے مان لیتے، حقیقتِ حال جان لینے کے باوجود اخفا سے کام لیتے۔

جودتِ طبع

وسعتِ علمی کے ساتھ ساتھ ذہانت اور طبعِ رسا کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ استفتاء آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی ہے کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا، جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا (یعنی رُوئے زمین پر اُس وقت وہی عبادت کوئی دُوسرا نہیں کر رہا ہوگا) اگر اُس نے یہ قسم پوری نہیں کی تو اُس کی بیوی کو تین طلاق۔ علمائے بغداد یہ استفتاء سُن کر حیرت میں پڑ گئے کہ ایسی کونسی عبادت ہے کہ پوری دنیا میں بیک وقت ایک شخص تنہا کر سکے۔ پورے شہر کے علماء و فقہاء جواب سے عاجز آگئے۔ یہی استفتاء جب آپؒ کے پاس آیا تو آپ نے بے تکلّف فرمایا کہ مطاف اُس کے لیے خالی کر دیا جائے اور وہ سات چکر لگا کر بیت اللہ شریف کا طواف تنہا مکمل کرے، علماء نے یہ جواب سن کر بے ساختہ دادِ تحسین دیتے ہوئے کہا کہ فی الواقع بلاشرکتِ غیرے عبادت کی یہی ایک صُورت ہے، جو شیخ نے ارشاد فرمائی۔

خوئے دلبرانہ

ظاہری شان و شوکت اور علمی و رُوحانی وجاہت کے باوجود انکسار و شفقت علی الخلق کا یہ عالم تھا کہ اپنے مدرسہ کے نادار طلبہ کو ایّامِ تعطیل میں گھر جانے پر مدرسہ کے صدر دروازے تک خود چھوڑنے جایا کرتے۔ طلبہ کے کپڑوں اور کھانے کے علاوہ اُن

کی دیگر ضروریات کا خاص خیال رہتا تھا۔ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے میں خوشی محسوس فرمایا کرتے تھے اِس کے برعکس سلاطین واُمراء کے ساتھ وقار آگیں سلوک روا رکھتے۔ سلاطین میں سے اگر کوئی ملاقات کیلئے حاضر ہوتا تو اُسے الگ کمرے میں بٹھا دیا جاتا، جب آپ اُس سے ملاقات کیلئے کمرے میں داخل ہوتے تو اُسے ناچار اُٹھنا پڑتا۔ آپ کا یہ عمل تکبّر کے سبب نہیں تھا بلکہ اُن متکبّرین کی گوشمالی کا ایک حکیمانہ طریقہ تھا۔ مگر علماء اور فقراء کے ساتھ آپ کا طرزِ ملاقات انتہائی انکسار و فروتنی پر مبنی ہوتا تھا۔ غرض آپؒ کا ہر عمل رسالت مآب علیہ السّلام کے اُسوۂ حسنہ کی مکمل تصویر تھا۔

تاثیرِ مواعظ

آپ کے مواعظ و خطبات سامعین کے قلوب پر بجلی کا اثر کرتے تھے۔ فرطِ اشتیاق اور آتشِ عشقِ الٰہی کے اثر سے کئی جنازے اُٹھتے تھے ہر طرف ایک کیف و مستی کا عالم ہوتا تھا، چنانچہ آج بھی جب ہم فتوح الغیب اور الفتح الرّبانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپؒ کے ہر ہر جملے میں وہی تاثیر محسوس ہوتی ہے۔ طویل مدّت گزر جانے کے باوجود آپ کے خطبات میں وہی زندگی اور تازگی بدستور موجود ہے۔ چونکہ رسولانِ سلف کی سنّت پر چلتے ہوئے اُن کے نائبین کا کلام بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین و مخاطبین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوا کرتا ہے، اس میں محض لفّاظی اور جوشِ خطابت کے بجائے

اصلاحِ خلق اور علاجِ امراضِ رُوحانیہ کی حقیقت کارفرما ہوتی ہے۔ حضرت شیخؒ کے مواعظ کا حال کچھ ایسا ہی تھا لوگ جن بیماریوں میں گرفتار تھے آپؒ اُنہی کا ازالہ کرتے اور لوگوں کو اُن کے سوالات وشبہات کا جوابِ شافی عطا فرماتے۔ کلام میں بیک وقت شان وشوکت بھی ہوتی، دلآویزی اور حلاوت بھی، جو ایک صادق القول والعمل خطیب کا طرّۂ امتیاز ہے۔ آپ کے تقریباً تمام مواعظ عقیدۂ توحید سے متعلق ہیں اگرچہ ان میں دیگر موضوعات پر بھی گفتگو کی گئی ہے، جیسے قضا وقدر کی تحقیق، طالب کا مقصودِ حقیقی، سالک کی حالتِ غنا، مخلوق سے انقطاع، مخلوق واسباب پر اعتماد کی ممانعت، وصول الی اللہ رضا کی حقیقت، ایمان کی کمزوری اور قوت، لطف وعطا اور بلاء، قناعت، خوف، خیر وشر، فنا وبقا اور سلوک کی ابتدا وانتہا وغیرھم۔ لیکن اِن سب موضوعات اور تمام خطبات میں جو جھلک واضح اور غالب نظر آتی ہے وہ مسئلۂ توحید ہے، جن کے انتساب پر آج کے بعض نام نہاد علماء نے اپنی کوتاہ نظری کے سبب شک وشبہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ اِن مواعظ کا انتساب آپ سے غلط ہے. اُن کے نزدیک حضرت شیخ عقیدۂ توحید پر ایسا کلام کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ اُن کے مطابق ایسے عقائد کی ترویج سے کسی دوسرے مسلک کے لوگوں کو تقویت ملتی ہے، حالانکہ ایسے لوگوں کا یہ نقطۂ نظر حقیقت سے محض چشم پوشی پر مبنی ہے، اگر اُن کے اِس مفروضے کو تسلیم کر ہی لیا جائے تو پھر انبیاء ومُرسلین کے اُس موادِ

تبلیغ کے بارے میں کیا کہا جائے گا، جو اوّل سے آخر تک توحید ہی سے متعلق ہے۔ کیا اُن کو بھی کسی خاص مسلک کا نمائندہ کہا جائے گا؟

صوفیاء کا مقصدِ تبلیغ

میں نے بہ طورِ خاص اِس معاملہ میں بہت غور کیا کہ جن صوفیاء نے ساری عمر توحید کا درس دیا اور جن کے مواعظ وتحریرات آج کتابی صورت میں ہمارے پاس موجود بھی ہیں، آخر اُن سے محبّت کا دعوٰی رکھنے والوں نے اُن کی تعلیمات کو نظر انداز کیوں کر دیا اور اُن تعلیماتِ عالیہ میں شک وشبہ کا اظہار کیوں کرنے لگے۔ بہت سوچ بچار کے بعد ذہن اِس نتیجے پر پہنچا کہ ایسے باخُدا مشائخ جو بلاشبہ انبیاء کے نائبین بھی تھے، نے اپنی تبلیغی مساعی کو اپنے لیے ذریعۂ آمدنی نہیں بنایا اور نہ ہی محض دکانداری چمکانے کے لئے خانقاہیں بنائیں۔ وہ لوگ انبیاء کے خلوص، حُسنِ نیّت اور علم وعمل کے بجا طور پر وارث تھے، اِس لیے اُنہیں یہ اندیشہ کبھی لاحق نہیں ہوا کہ اگر اُنہوں نے توحید کی طرف بلانے میں یہی طریقہ اپنائے رکھا تو لوگ اُنہیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ چونکہ اُن کا مدّعٰی ہی یہ تھا کہ خلقِ خدا اپنے اندر حقیقی مالک سے کُلّی رابطہ رکھنے کا شعور پیدا کرے، اِس لیے جب وہ اپنے کسی مُرید کو دیکھتے کہ وہ اپنی تمام حوائج میں اللہ کی طرف انابت رکھتا ہے تو وہ بے حد خوش ہوتے کہ اُنہوں نے

اپنی کوشش کا پھل پالیا۔

حضور علیہ السّلام کا ذوقِ توحید

مشائخِ سلف کا دراصل یہ وہ طریقِ عمل تھا، جسے انبیاء و مُرسلین اور پھر حضور سیّد المُرسلین نے عمر بھر اپنائے رکھا۔ اگر آپ ﷺ کی سیرت و احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کُھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ ؐ اپنی منصوص حیثیت اور ممتاز ترین شخصیت کے باوجود خلقِ خدا کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے بجائے اپنے خالق و مالک کے در پر بھیجتے رہے اور آپ ؐ نے آنے والوں کو باور کرایا کہ وہ اپنی حاجتیں صرف اُس کے سامنے پیش کریں، موت و حیات، نفع و ضرر، بست و کشاد اور ہر طرح کی قدرتِ کاملہ کا مالک اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بہ طورِ خاص فرمایا اِذَا سئلتَ فاسئلِ اللہَ وَ اِذا استعنت فاستعِن باللہ الحدیث کہ جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے کرے اور جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مانگے۔ مزید برآں آپ ؐ نے فرمایا فَلَو جَھَد العبادُ اَن ینفعوك بشیٔ لَم یقضِہ اللہ لک لم یقدِرُوا علیہ، وَلَو جَھَدالعبادُ اَن یَضُرّوكَ بشیٔ لم یقضہِ اللہ علیکَ لم یقدِرواعلیہ ترجمہ: ”اگر ساری مخلوق تجھے نفع پہنچانے کی حد درجہ کوشش کرے لیکن اللہ نہ چاہے تو

کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب انسان مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے“ آپ ؐ نے ایک اور حدیثِ صحیح میں فرمایا اِنّی وَاللہِ لا اُعطی اَحدًا ولَا اَمنَعُ اَحدًا واِنّما اَنا قاسم ”اَضعُ حیثُ اُمِرتُ. ترجمہ: ”اللہ کی قسم نہ میں کسی کو دیتا ہوں اور نہ کسی سے کچھ روکتا ہوں بلکہ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو حکم دیا جاتا ہے وہیں چیز رکھتا ہوں۔“

چنانچہ آپ ؐ کی اِن مسلسل اور مؤثر تعلیمات و مساعی نے پاس بیٹھنے والوں کو زمین سے اُٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ صحابۂ کرام کا رُتبہ اِس لیے بھی بعد میں آنے والوں سے بُلند تر ہو گیا کہ اُن کو براہِ راست خود رسالت مآب علیہ السّلام تعلیم دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ توحید کے بارے میں جو رسوخ و ایقان صحابہؓ کو حاصل ہوا، وہ بعد والوں کے حصّہ میں نہ آسکا ایسا بھی ممکن تھا کہ رسالت مآب ؐ اپنے مالک و خالق کی طرف دعوت دینے میں پوری قوت صَرف نہ فرماتے تاکہ بعض عقائد میں آپ بھی لوگوں کی توجّہ کا مرکز رہ پاتے اور کسی معاملہ میں بغیر فضل و عطائے خدا کے آپ پر کُلّیۃً بھروسہ کیا جاتا اور آپ ہی مخلوق کے لیے مقصودِ حقیقی ٹھہر جاتے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے نہ ایسا کوئی ارشاد فرمایا اور نہ اُمّت کو اللہ کے علاوہ کسی اور سے ایسے عقائد وابستہ رکھنے کی اجازت دی۔ بارگاہِ خداوندی میں آپ کے انکسار و نیازمندی کا

یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ انصار کے ہاں شادی کی تقریب پر کچھ بچیاں دف بجا کر گا رہی تھیں، حضور علیہ السّلام اُن میں تشریف فرما ہوئے، ایک بچّی نے ایک شعر پڑھ دیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم میں وہ شخصیّت بیٹھی ہے جو کل کی خبریں دیتی ہے، اِس پر آپؐ نے اُسے روک دیا کہ میرے لیے ایسے الفاظ نہ کہو۔ کل کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حالانکہ لڑکی نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب سے نوازا تھا' جس پر قرآن و حدیث شاہد ہیں۔ بلکہ علومِ خمسہ بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے ذاتی طور پر ماننا شرک ہے' عطائے الٰہی سے یہ بھی حضور علیہ السّلام کو حاصل ہیں جن میں علمِ غد (کل کا علم) بھی ہے۔ مگر اُس لڑکی کے مُنہ سے یہ بات اُس وقت آپؐ نے اِس لیے پسند نہ فرمائی کہ یہ تواضع وانکسار کے منافی تھی۔ معلوم ہوا انبیاء علیہم السّلام جنہیں اللہ کی طرف سے ایک خاص اور بلند ترین مقام حاصل ہے اور جن کا ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ رہتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ مقامات اور قوّتوں کو ضرورت کے تحت استعمال میں لاتے ہیں اور اُن کے ایسے تصرّفات و معجزات کے اظہار کا مقصد بھی خالقِ کائنات کی اُلوہیّت وقُدرت ثابت کرنا ہوتا ہے، نہ کہ معاذ اللہ اپنی طاقت کا دِکھانا۔

یہی وجہ ہے اللہ نے انسانوں میں ایسے نفوسِ قدسیہ کو رسالت و نبوّت کا منصبِ جلیلہ عطا فرمایا، جن کے متعلق اُسے علم تھا کہ اِن کی بے نفسی، بے ریائی، حُسنِ نیّت

اور اخلاصِ عمل کا وہ مقام ہے کہ سب کچھ عطا ہونے کے باوجود ہر جگہ اور ہر آن یہ میرے ہی نام کو بلند کریں گے۔ بلکہ اِسی تعلیم کو اُن پر نازل ہونے والی کتابوں میں جا بجا عام کروایا گیا کہیں اُن کی زبان سے کہلوایا گیا۔ فَقُل حَسبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّاھُوَ عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَھُوَ رَبُّ العَرشِ العَظِیم ۔ ترجمہ: ''پس کہہ دیجئے مُجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے' نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ اُسی پر میں نے آسرا کیا ہے اور وہی بڑے عرش کا ربّ ہے۔'' کہیں اِس انداز میں اُن کی زبانی یہ اعلان کروایا گیا:

اِنَّ وَلِیَِّ اللّٰہُ الَّذِی نَزَّلَ الکِتٰبَ وَ ھُوَ یَتَوَلَّ الصّٰلِحِین. ترجمہ: ''یقیناً میرا کارساز اللہ ہے' جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ صالحین کا بیڑا اٹھانے والا ہے۔''

نائبینِ انبیاء کا اندازِ وحدت پرستی

چنانچہ جب ہم نبوّت و رسالت کے اِس سِلسلۂ طویل کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایسا نبی یا رسول نظر نہیں آتا جو اپنے منصبی تقاضوں سے کماحقہٗ عہدہ برآنہ ہوا ہو۔ جب حضور ختمی مرتبت پر سلسلہ نبوّت ختم ہوا' صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام نے جو براہِ راست مشکوٰۃِ نبوّت سے مُستنیر تھے اُنہی صفات کا خود کو وارث ثابت کرتے ہوئے اُس پیغام کو اُسی شان کے ساتھ دنیا میں پھیلانے کا آغاز کیا۔ حتّٰی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپکے وصال شریف کے موقع پر جب صحابہؓ شدّتِ غم سے نڈھال ہوگئے بڑے بڑے حوصلے والوں کے حوصلے ساتھ چھوڑ گئے، حضرت فاروق اعظمؓ جیسے صاحب

عزم وہمت صحابی تلوار لے کر بیٹھ گئے کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اُسکا سرتن سے جدا کردونگا تو جانشینِ مصطفےٰ وارثِ مسندِ نبیؐ حضرت ابو بکر صدّیق ؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے خطبہ دیا: ''لوگو! جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سُن لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ قائم ودائم ہے۔ اور پھر آیتِ قرآنی وما مُحَمّد اِلّا رسول کی تلاوت کر کے شانِ خدا اور منصبِ رسالت کی وضاحت کردی کہ پیغمبرِ اسلام تو وصال فرما گئے لیکن اللہ تعالیٰ جو معبودِ حقیقی ہے وہ زندہ ہے''۔ تو جس طرح اس مسئلہ کے عرفان میں صدّیقِ اکبر کو خاص ملکہ عطا فرمایا گیا اِسی طرح اُنہیں صحابۂ کرام میں بھی سبقت وفضیلت سے نوازا گیا بلکہ ایک مرتبہ صدّیقِ اکبرؓ کے علوِّ شان کی وجہ بیان کرتے ہوئے خود زبانِ رسالت مآب علیہ السّلام سے یہ اعلان صادر ہوا کہ صدّیق اکبر کا مقام ومرتبہ عنداللہ، لا بِکثرۃ صلوٰتہٖ ولا بکثرۃ صیامہٖ ولٰکن وُقِرَ بِشئی مَافی قلبہٖ ، نہ تو کثرتِ نماز سے اور نہ زیادہ روزے رکھنے سے ہے بلکہ اُس کے دِل میں باری تعالیٰ کی جو عظمت وتوقیر بیٹھ گئی ہے اُس کے سبب یہ مقام ومرتبہ اسے ملا ہے ایک اور مقام پر کہا گیا لو وُزِن ایمانُ ابی بکرٍ مع ایمانِ جمیع اھل الدُّنیا لَرَجحَ ایمانُ ابی بکرٍ ترجمہ: اگر ابو بکرؓ کے ایمان کو تمام دنیا والوں کے ایمان ساتھ وزن کیا جائے تو ضرور ابو بکرؓ کے ایمان کا وزن زیادہ ہوگا۔

بہر حال صحابہؓ واہل بیتؓ کے بعد تابعین تبع تابعین نے اِسی تسلسل کو اُسی آب و تاب سے اپنے بعد کے ادوار کے سپرد کیا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ، معروف کرخیؒ، جنید بغدادیؒ اور ابوالقاسم گرگانیؒ جیسے عالی منزلت صوفیائے کرام نے نہ صرف یہ کہ اس فیضانِ مسلسل کو اپنے اندر سمیٹا ، بلکہ اپنے قدسی نہاد خلفاء کے توسّط سے اطراف واکنافِ عالم میں پھیلا بھی دیا۔ قرونِ اولیٰ کے ذی مرتبہ مشائخ کو عہدِ رسالت سے بڑی مماثلت حاصل تھی۔ ابوالحسن خرقانیؒ اور بایزید بسطامیؒ جیسے حضرات تو ایسے یگانۂ روزگار تھے کہ قیامت تک اُن کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ان کے بعد کے مشائخ چاہے وہ جس سلسلہ سے تعلّق رکھتے تھے اِنہی اقدارِ عالیہ کے امین رہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور اُن کے بعد ہندوستان میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کے گُلِ سر سبد خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین حسن سجزی اجمیریؒ اور اُن کے خلفاء نے جس تن دہی اور سلامت روی سے اشاعتِ دین کے معرکے سَر کیئے وہ آج تک اوراقِ تاریخ کی زینت ہیں۔ اِن حضرات کے بہت بعد تک عہدِ صحابہ سے نسل در نسل منتقل ہونے والا فیضانِ رسالت کا گنجِ گراں مایہ مسافرانِ تہی دست کے لئے زادِراہ بنا رہا۔ بلکہ ہمارے اِس دور سے سو سال پہلے تک بھی اس کے واضح اثرات دیکھے اور محسوس کیے گئے۔ مگر ہمارے اِس دور کی بدنصیبی یہ ہے کہ دنیا کی چمک دمک اور ہوس نے اُن ہستیوں کو روپوش کر دیا اور ہمارے سامنے ایسے لوگوں کو لا کھڑا کیا ، جو مسندِ مشیخت پر تو

بیٹھ گئے مگر خود کو اپنے اسلافِ ذی وقار کا صحیح وارث اور جانشین ثابت نہ کر سکے۔ جانشینی اور وراثت سے یہاں اسلاف کے علم و فضل اور اُن کے پاکیزہ کردار کا حامل ہونا مراد ہے۔ امام غزالیؒ، امام رازیؒ، جلال الدین رومیؒ، علامہ اسماعیل حقّی مصریؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے اپنے مواعظ و تحریرات میں حقیقی علماء و مشائخ کے فضائل بیان کئے اور انسانی معاشرہ میں اُن کے وجود کو قدرت کی عظیم نعمت قرار دیا، جبکہ دو نمبر علماء و مشائخ کی دجل سازی اور فریب کاری کی پورے طور پر قلعی بھی کھول کر رکھ دی۔

شیخ ابنِ تیمیہؒ کی حضرتِ غوثِ پاکؒ سے عقیدت و نسبت

علمی و روحانی کمالات اور بلندیٔ کردار ہی وہ عظیم نعمتیں ہیں، جنکے سبب امام ابنِ تیمیہؒ جیسے متشدّد اور انقلابی انسان نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نہ صرف علمی و روحانی عظمتوں کو تسلیم کیا، بلکہ آپ کی کرامات کو درجۂ تواتر میں رکھتے ہوئے اُن کی حقانیت پر اپنی مہرِ تصدیق و تائید بھی ثبت کی۔ اپنے مخصوص مزاج کے سبب شیخ ابنِ تیمیہؒ نے اگرچہ طبقۂ صوفیا کی اکثریت سے اختلاف کیا اور اُن کی تصانیف و خطبات پر تنقید بھی کی، لیکن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں اُن کا رویّہ قدرے مختلف ہے وہ اُن کی کرامات کو تسلیم کرنے کے علاوہ اُن کی تعلیمات و خطبات کی تصدیق و تائید کرتے نظر آتے ہیں، اِسی لیے حضرت شیخؒ کے مشہور مجموعۂ خطبات ''فتوح الغیب'' کی شرح بھی لکھی چنانچہ وہ آپکے کلام میں

مقالۂ اولیٰ کی تشریح شروع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

قُلتُ: ھذا کلام "شریف" جامع" یحتاجُ الیہ کُلّ اَحبوھو تفصیل" لما یحتاجُ الیہ العبدُ وَھوَمطابق" لِقولہٖ تعالٰی .... کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں: وکلام الشیخ قدّس اللہ رُوحہٗ یدُورُ علیٰ ھذا القطب الخ...... اس طرح مزید آگے جا کر فرمایا: والشیخ عبد القادر ونحوہٗ من اعظم مشائخ زمانھم امر بالتزام الشرع الخ. ایک اور مقام پر ابنِ تیمیہؒ حضرت شیخ کو مشائخِ اہلِ استقامت میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فأ مّا الشیخ عبدالقادر، وشیخہٗ حماد الدّبّاس وغیرھما من المشایخ اھلِ الاستقامۃ رضی اللہ عنھم بانّہ لا یُریدُ السالکُ مراداقط"...... اسی بات کی مزید وضاحت کچھ آگے ملاحظہ کیجیے: فأ مّا المستقیمون من السّالکین، کجمھور مشائخ السّلف مثل الفضیل بن عیاض وابراھیم بن ادھم وابی سلیمان الدارانی معروف کرخی والسّقطی والجنید بن محمد وغیرھم من المتقدّمین ومثل الشّیخ عبدالقادر وَالشّیخ حمّادوَالشّیخ ابی البیان وغیرھم من المتأخّرین لا یسوّغون للسالک ولو طار فی الھوا او مشیٰ علی الماءِ أن یخرج عن الامرِ وَالنّھی الشّرعیّین بل علیہ ان یفعل المأمور ویدع المحظور الی ان یموت وھذاھوالحق الذی دلّ علیہ

الکتاب والسُنَة واجماع السلف.

ترجمہ: "پس اربابِ استقامت سالکین جمہور مشائخِ سلف میں سے مثل فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، ابوسلیمان دارانی معروف کرخی، سَری سقطی اور جنید بن محمد وغیرھم متقدمین میں سے اور مثل شیخ عبدالقادر، شیخ حماد اور شیخ ابوالبیان وغیرہ ھُم متاخرین میں سے سالک کیلئے جائز نہیں ٹھہراتے اگرچہ وہ ہوا میں اڑے یا پانی پر چلے کہ وہ شرعی امر اور نھی کے دائرے سے باہر چلا جائے (یعنی شرعی پابندی سے آزاد ہو جائے) بلکہ اس پر واجب ہے کہ وُہ اُن احکام پر عمل پیرا رہے جن کا شریعت میں حکم دیا گیا اور ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے روکا گیا یہاں تک کہ اسے موت آ جائے، اور یہی تو وہ حق ہے جس پر کتاب، سنّت اور سلف صالحین کا اجماع گواہی دیتا ہے۔"

یہ حقیقت ہے

ہمارے قارئین کے ذہن میں یقیناً یہ سوال اُبھرے گا کہ شیخ ابنِ تیمیہؒ اور حضرت پیرانِ پیرؒ کے خطبات کی تشریح' یہ کیوں کر ممکن ہے۔ اس کا کچھ جواب ہم ماسبق میں دے چکے ہیں' مزید وضاحت کے لیے شیخ ابنِ تیمیہؒ کی شرح فتوح الغیب جو الطبعة الأولی دارالقادری لبنان بیروت (۱۹۹۵ء) اور الطبعة الثانی موسسة الشرف، بلاھور پاکستان (۲۰۰۳ء) پر حرفِ تقدیم لکھتے ہوئے علاّمہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کے خیالات ملاحظہ فرمایئے فھذا شرح لبعض کلمات فتوح

الغیب للعارف الرّبانی والمحبوبَ السّبحانی السیّد الامام عبدالقادر الجیلانی رحمه الله تعالیٰ وقد تصدّی لشرحه الشیخ ابنِ تیمیه الحرّانی ویمکن ان یستغرب کثیر من الناس کیفَ یشرح ابن تیمیه کتاباً من اشهر کتب التصوّف وهوَ یُعدّمن اکبر اعدائه وعنده ما نُطالِعُ فتوح الغیب وشرحهُ یزول هذاالاستغراب فانّ التّصوّف هو جوهرالاسلام ومخه' کما بیّنه الامام الجیلی رضی الله تعالیٰ عنهُ فی هذاالکتاب والفتح الرّبّانی ولا ینکرهُ الشیخ ابن تیمیه ولا اشیاعه' رغم انّ الامام الجیلی حنبلی مذهباً والشیخ ابن تیمیه ایضاً یُعَدّمن الحنابلة...... ترجمہ: پس یہ عارفِ ربّانی محبوب سُبحانی السیّد الامام عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب کے کچھ کلمات کی شرح ہے اور شیخ ابنِ تیمیہ الحرّانی نے اس کی شرح کی ہے اور ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ بات عجیب محسوس ہو کہ شیخ ابنِ تیمیہؒ جیسا شخص جسے تصوف کے بڑے مخالفین میں شمار کیا جاتا ہے وُہ دُنیائے تصوف کی اتنی شہرت یافتہ کتاب کی شرح کیسے کر سکتا ہے تو جب ہم فتوح الغیب اور اُس کی شرح کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حیرانگی دور ہو جاتی ہے' کیونکہ تصوف کیا ہے؟ وہ اِسلام کا جوہرِ خالص اور نچوڑ ہے جیسا کہ حضرت امام جیلانی رضی اللہ عنہ نے اس کتاب اور الفتح الرّبانی میں واضح کیا ہے اور شیخ ابنِ تیمیہؒ اور

ان کے متبعین ایسے تصوف کا ہرگز انکار نہیں کرتے۔الخ

ان مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہوگیا ہے کہ شیخ ابنِ تیمیہؒ نہ تصوف کے مخالف تھے اور نہ صوفیاء کے دشمن اور نہ ہی کرامات کے منکر' بلکہ وہ نام نہاد صوفیوں، اُن کی خلافِ شرع باتوں اور بے سروپا کرامات کے خلاف تھے۔

فلسفۂ کرامت اور مقصدِ کرامت

کرامات کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ کوئی معیارِ ولایت نہیں اور کرامات کا کثرت سے ظہور مرتبہ کی بلندی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہمارا مقصود یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں' البتہ اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ جب ہم کرامات کو من جانب اللہ سمجھتے ہیں تو ان کے صدور میں صاحبِ کرامت کا عمل دخل تو رہتا ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ جس ولی سے کرامات کا کثرت سے ظہور ہو' وہ مرتبہ میں کامل نہیں ہوتا، عجیب سی منطق ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام کے معجزات اور اولیاء کی کرامات دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اِن کے صدور میں بندے کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اپنے جس بندے کے ہاتھ پر بھی اللہ تعالیٰ جس وقت جو خرقِ عادت امر ظاہر کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ لہٰذا کرامات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ کرامات کے انکار میں اس حد تک بڑھے کہ اُنہوں نے انبیاء کے معجزات کا بھی انکار کر دیا' حالانکہ بعض معجزات کا ذکر تو قرآنِ مجید میں بھی موجود ہے، مگر اُن آیات کی دُور از کار تاویلات کی گئیں اور اُن

سے ایسے مطالب نکالے گئے جو سیاقِ کلام کے علاوہ الفاظِ آیات سے بھی مطابقت نہیں رکھتے' ہاں یہ بڑی حد تک درست ہے کہ آج خطباء اور مصنفین بزرگانِ دین کی تعلیمات اور علمی خدمات کو عوام کے سامنے لانے کے بجائے اُن کے کشف و کرامات کے متعلق روایات پر ہی زور دیتے ہیں' چاہے وہ مصدقہ ہوں یا نہ ہوں، اُن میں کوئی معقولیت کی رمق ہو یا نہ ہو' ایسی بے بنیاد روایات سے بھی گریز کرنا چاہیئے' کیوں کہ پھر درست روایات پر بھی یقین نہیں رہ جاتا اور پھر صوفیاء کا دستورِ حیات انبیاء کی نیابت کے حوالے سے بالکل وہی رہا' جو انبیاء کا تھا۔ انبیاء نے بھی کبھی بلاضرورت کوئی معجزہ نہیں دکھایا' بلکہ جب کوئی ایسا سخت مرحلہ آتا تو وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر فیصلے کے منتظر رہتے، اللہ تعالیٰ اپنی منشاء کے مطابق اُن کے ہاتھ پر کسی ایسی بات کو ظاہر فرما دیتا' جس سے منکرین و مشرکین عاجز ہو جایا کرتے تھے' یہ سمجھنا کہ شاید انبیاء اپنی شخصی برتری ثابت کرنے کے لیے یا شغل کے طور پر جب چاہتے معجزات کو مدِ مقابل کے سامنے پیش کر دیتے تھے' یہ سوچ انبیائے کرام علیھم السّلام کی شان کے نہ صرف خلاف ہے بلکہ گستاخی اور جسارت بھی ہے۔ ظہورِ کرامات کے سلسلے میں صوفیائے کرام نے وہی طریقہ اپنایا' جو انبیاء و مُرسلین کا تھا۔ بعض مخالفینِ کرامات کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا خرقِ عادت اُمور کا اظہار کیسے ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب اجمالی طور پر اسی مضمون میں اوپر دیا جا چکا ہے، مزید وضاحت کے لیے عرض ہے کہ جب کوئی ایسا انسان جو اللہ

تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا پابند ہو اور اپنے تئیں بندگی کے تقاضے پورے کرتا ہو کسی مشکل یا پیش آمدہ مسئلہ میں اپنے مالک کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے قادرِ مطلق! اب حق وباطل کا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے' میں اِس پر قدرت نہیں رکھتا، تو اللہ اُسے غیبی نصرت سے نوازتا ہے اور اُسے لوگوں میں ممتاز کرنے کے لیے اُس کے ہاتھ پر کسی ایسی خلافِ عادت چیز کو ظاہر فرما دیتا ہے کہ عقلِ ظاہر بین جو اسباب وعِلَل کی زنجیروں میں جکڑی ہوتی ہے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے، خوش نصیب مان جاتا ہے اور بدنصیبی کا مارا پھر بھی سرکشی کرتا ہے، بلکہ اُسے جادو سے تعبیر کرتا ہے، جیسا کہ انبیاء کے معجزات دیکھ کر بغض وحسد کی آگ میں جلنے والے اُنہیں ساحر کہہ دیا کرتے تھے ہم نے یہ پوری بحث تفصیل کے ساتھ اپنے رسالہ ''موازنۂ علم وکرامت'' اور کتاب ''راہ ورسمِ منزل ہا'' میں کر دی ہے، شوق اور جستجو رکھنے والے وہاں ملاحظہ کریں۔

اہمیّتِ کتاب وسنّت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پوری حیاتِ طیّبہ قرآن وسنّت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی آپ کا کوئی قدم قرآن وسنّت کے کسی حکم کے مخالف نہیں پڑا' اِسی لیے آپ نے بطورِ تشکّر ومباہات فرمایا۔ ؎

وَ کُل ولی له قدم وَانی ‏ ‏ ‏ ‏ علی قدم النّبی بدرِ الکمالِ

چنانچہ آپ کے خطباتِ مبارکہ کا مجموعہ ''فتوح الغیب''، جس کو دنیائے علم ویقین

میں مُستند مقام حاصل ہے ہر دور کے علماء وصلحاء نے جس کی صداقت وافادیت کا اعتراف بلا اختلاف کیا ہے۔ حتّٰی کہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اخلاص ونیاز کے ساتھ جس کی شرح تحریر فرمائی اور اُن مواعظِ علمیہ، حقیقیہ، عرفانیہ اور روحانیہ کے متعلق گواہی دیتے ہوئے لکھا '' درتحقیقِ مقالاتِ دین کمالاتِ اہلِ یقین موافق لسانِ رسالت وزبانِ نبوّت است' چنانکہ شان معارفِ صدّیقاں است فرمودہ اند'' اسی طرح محدّث دہلویؒ نے فتوح الغیب کی شرح کے اختتام پر اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا'' آنچہ دریں کتاب ازاں مودع است ہمہ بیانِ کتاب وسنّت است'' (اس کتاب میں جو کچھ بھی درج کیا گیا ہے وہ تمام کتاب وسنّت کا ہی بیان ہے) میں حضرت پیرانِ پیرؒ نے التزامِ شریعت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ''فَارجِع الی حُکمِ الشّرعِ والزمهُ وَدَع عنکَ الهَوَسَ کُلُّ حقیقةٍ لا یُشهدُ لَها الشّرع فهِی زندقة ''{ترجمہ پس رجوع کر تُو شریعت کے حکم کی طرف اور اُسے لازم پکڑ (اُس سے جدا نہ ہو) اور ہوا وہوس کو اپنے سے دُور رکھ، ہر وہ حقیقت کہ اس کے لیے شریعت گواہی نہ دے (یعنی اُسے شریعت ثابت نہ کرے) پس وہ حقیقت زندیقی ولادینیت ہے۔} گویا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کے قول مبارک کے مطابق یہ کلام فرمائی جس میں آپؓ نے فرمایا تھا ''اِنَّا قوم'' أعزنا اللہ بالاسلام فلا نطلبُ العزّ بغیرہ '' {ترجمہ: ہم وہ قوم ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سبب عزّت عطا فرمائی پس ہم کسی اور سبب سے عزّت طلب نہیں کرتے} جسطرح

پیرانِ پیرؒ نے تمام زندگی شریعت مطہرہ کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اُسی طرح آپ نے متعلقین کو بھی عُمر بھر یہی تلقین فرمائی۔

اللہ اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا

چونکہ آپ کو اپنے دَور کے بے شمار باطل فرقوں سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے ٹکر لینا پڑی' آپ نے ہر موڑ پر اور ہر مشکل میں اپنے مالک کو نصرت و تائید کے لیے پکارا، اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس قدر فضل فرمایا کہ آپکی مبارک زندگی کے ہر لمحہ کو کرامات وخوارق سے معمور فرمادیا بس پھر کیا تھا کسی معاملہ و مشکل میں مالک کی طرف ذرا توجہ کرتے ہوئے فیصلہ چاہتے' فوراً عرض قبول ہو جاتی تھی۔ اس قسم کی استمداد و التماس کی بہت سی مثالیں قرآنِ پاک میں موجود ہیں کہ انبیاء اور دوسرے مؤمنین نے کڑے وقت میں اللہ سے مدد طلب کی تو اللہ نے اُن کی التجا کو قبول فرما کر اُن کی دستگیری فرمائی ،یہ الگ بات کہ وہ مدد میدانِ کارزار میں عطا کی گئی ہو یا بہ صورتِ معجزہ ضرورت پڑنے پر مرحمت ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبیِ مُرسل کی اُمت میں اپنی اس سنّتِ کرم کو جاری رکھا بالخصوص حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذاتِ جلیلہ کے حوالے سے آپ کی اُمت کے اکابر صالحین کو کسی مشکل اور ابتلا میں تنہا نہیں چھوڑا۔ اور ہر مرحلے پر اپنی شانِ کرم کے اعلانِ کرم وکان حقاً علینا نصرُ المؤمنین کا عملی اظہار بھی فرمایا' اور اس طرح اپنے بندگانِ خاص کی ہمیشہ لاج رکھی۔ مالک کی اس نوازشِ خاص اور بندہ نوازی کو

جب صوفیائے کرام نے ہر لمحہ محسوس کیا تو پھر وہ اُسی کے در کے ہو کر رہ گئے۔ اسباب پر بھروسا کرنے کے بجائے مُسبّبُ الاسباب سے لَو لگالی، مخلوق سے ہر قسم کے طمع اور اُمید کو خیر باد کہہ دیا، نفع اور ضرر اور قبض و بسط کا کُلّی مالک صرف اپنے خالق کو تسلیم کرلیا۔ اس ابدی اور لافانی حقیقت کا اظہار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کلام سے کچھ اس طرح ہوتا ہے۔ "قالَ رضی اللہ تعالٰی عنہُ وارضاہُ ماحُجبتَ عَن فَضلِ اللہِ وَالبدءِ بِنَعمِہِ اَلّا لِاتکا نکَ علَی الخَلقِ وَالاسبَابِ وَ الصَّنائع وَالاکسَابِ فَالخلقُ حِجابُکَ عَنِ الاَکلِ بِالسُّنّۃِ وَھُوَالکسبُ فَما دُمتَ قَآئمًا مَع الخَلقِ یَعنِی رَاجِیًا لِعَطائِہِم وفَضلِہِم سآئلاً لَھُم مُتَرَدِّدًا الیٰ اَبوابِھِم فَاَنتَ مُشرِکٌ بِاللہ خَلقَہٗ فَیُعَاقِبُکَ بِحرمانِ الاَکلِ بِالسُّنَّۃِ اَلّذی ھُوَالکسبُ مِن حَلالِ الدّ نیاثُمَّ اِذَا تُبتَ عَنِ القِیامِ مَعَ الخَلقِ وَشِرکِکَ رَبَّکَ بِھِم وَرَجَعتَ اِلَی الکَسبِ فَتَاکُلُ بِالکَسبِ وَتَتَوکّلُ عَلَی الکَسبِ وتطمئنُّ اِلَیہِ وَتَنسٰی فضَلَ الرَّبِّ فأنت مُشرِکٌ" ایضاً اَلّا اَنّہٗ شِرکٌ" اخفیٰ من الاوّل فَیُعاقِبُکَ اللہُ وَ حَجَبَکَ عَنْ فضلِہِ وَالبدَایَۃِ بِہ فاذَا تُبتَ عن ذٰلکَ وَ اَزَلتَ الشّرکَ عَنِ الوسطِ وَرَفَعتَ اِتکانکَ علی الکسبِ والحولِ والقُوَّۃ ورَاَیتَ اللہ ھُوالرَّزّاقُ وَ ھُوَالمسبّبُ

وَالمسهِّلُ والمقّوی عَلٰی الکسب وَالمُوَفِّقُ لکلِّ
خیرٍوَالرّزقُ بِیَدِہ (الخ)

ترجمہ: حضرت شیخ محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تجھ سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نعمتوں کے بے سبب و بے واسطہ پہنچنے کو نہیں روکا گیا، مگر اِس وجہ سے کہ تُو نے مخلوق، اسباب، پیشے اور کسب پر بھروسہ کرلیا، کیونکہ مخلوق تو اَکلِ مسنون سے تیرے لیے حجاب ہے۔ اکلِ مسنون، کسب (حلال ذرائع سے کمائی) ہے۔ تُو جب تک مخلوق کے ساتھ قائم رہے گا، یعنی اِن کی عطاؤں اور بخششوں کا امیدوار ہوگا اِن سے مانگنے والا، اِن کے دروازوں پر آتے جاتے ہوئے، تو اس صورت میں تُو اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ شریک کرنے والا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ تجھے اکلِ مسنون (ذرائع حلال سے کمائی کیا ہوا مال) سے محروم ہونے کی وجہ سے عذاب وسزا دے گا، پھر جب تُو مخلوق کے ساتھ قائم رہنے اور اِن کو اپنے رب کا شریک بنانے سے توبہ کرے گا اور کسب کی طرف رجوع کرے گا حتّٰی کہ تُو کسب سے کھائے گا اور کسب پر بھروسہ کرے گا، اِس سے مطمئن ہوگا اور رب تعالیٰ کے فضل کو بھول جائے گا تو اِس صورت میں بھی تو مشرک ہوگا ہاں یہ بات ہے کہ یہ شرک پہلے شرک سے زیادہ خفی ہے لھٰذا اللہ تعالیٰ تجھ پر عتاب فرمائے گا اور تجھ سے اپنے فضل اور اس کی بے واسطہ ابتدا کو روک دے گا۔ پھر جب تُو نے توبہ کرلی اور درمیان سے شرک کا ازالہ کردیا اور کسب

وحول وقوت پر اپنے بھروسے کو اٹھالیا اور تُو نے واقعی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزّاق ہے، وہی اسباب پیدا کرنے والا، ان کو آسان بنانے والا، کسب پر قوت دینے والا اور ہر خیر کی توفیق دینے والا ہے اور رزق اُس کے دستِ قدرت میں ہے۔ کبھی تجھے مخلوق کے واسطے سے پہنچاتا ہے، جبکہ حالتِ آزمائش یا ریاضت میں تو اِن سے مانگتا ہے یا جب تُو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور کبھی کسب کو واسطہ سے معاوضہ کے طور پر عطا فرماتا ہے اور کبھی محض اپنے فضل سے بغیر اِس کے کہ تُو واسطہ اور سبب کو دیکھے تو تُو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنے آپ کو اُس ذاتِ عزّ وجل کے سامنے گرادیتا ہے تو وہ تیرے اور اپنے فضل کے درمیان سے پردہ اُٹھا دیتا ہے، تیرے لیے بے واسطہ ابتداء کرتا ہے۔ (فتوح الغیب مقالہ ١٦)

حضرت پیرانِ پیرؒ کے اِس حکیمانہ خُطبہ کے مفہوم اور موقع کی مناسبت سے مُجھے اپنی ایک رُباعی یاد آگئی، جو شاید اِسی مقامِ ارفع پر فائز اور اِسی منزلِ اعلیٰ پر پہنچے ہوئے حضرات کے مناسبِ حال ہو۔

مُجھ خستہ جگر کی آس وہ تھا کہ یہ تھے — دِل رویا تو غم شناس وہ تھا کہ یہ تھے
بندوں کو میں چارہ ساز کیوں کر مانوں — جب وقت پڑا تو پاس وہ تھا کہ یہ تھے

ایک مسلمان کا مسئلہ توحید سے فرار کیوں؟

صُوفیائے کرام سے اظہارِ عقیدت کرنے والے بعض غالی الطّبع حضرات توحید

کے لفظ سے بہت چڑ کھاتے ہیں، کچھ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ یہ لفظ ہمارا (اہلسنت و جماعت) کا نہیں وہابیوں کا ہے۔ اُن کو اپنے اس اندازِ فکر پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ اگر آپ کی یہ بات تسلیم ہی کرلی جائے تو آپ جن حضرات کو اپنا سب کچھ کہتے سمجھتے ہیں ذرا اُن کی تعلیم اور اُن کی زندگی بھر کی تبلیغی سرگرمیوں پر نظر ڈالیے اور بتایئے کہ وہ کیا درس دیتے رہے۔ آج اگر آپ اور ہم اُن کو اللہ والے یا اولیاء اللہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں تو کیا اِس کا سبب اُن کا اللہ تعالیٰ سے تعلقِ خاص نہیں؟ اگر نہیں تو پھر اُن کے القاب سے اللہ کا لفظ ہٹاتے کیوں نہیں؟ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے لوگ صِرف اُن کو عظیم ثابت کرنے کے لیے اللہ سے منسوب کرتے ہیں اور جب اُس ذات کے کُلّی اختیارات وتصرّفات اور اُلوہی قبضہ وقدرت تسلیم کرنے کا وقت آتا ہے تو اس کے ساتھ بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہ کہاں کی عقیدت اور کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک چھوٹی چیز کو بڑی چیز سے صرف اِس لیے منسوب کردیا جائے کہ وہ بھی بڑی معلوم ہو۔ اُس کے بعد بڑی چیز کو چھوڑ کر چھوٹی چیز کو بڑا سمجھا جانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں تمام اشیائے عالم چھوٹی ہیں یا یوں سمجھ لو کہ اگر تمام اشیائے عالم کو اُن کی ذاتی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہر شے چھوٹی اور بہت چھوٹی ہے، لیکن جس چیز کی نسبت اُس ذاتِ بے ہمتا کی طرف ہوتی جائے گی وہ چیز بڑی ہوتی جائے گی حتّٰی کہ عالمِ کون ومکاں کی سب سے عظیم ہستی

رسالتِ مآب ﷺ بھی اُسی ذات کی نسبت سے اعلیٰ ہوئی بقولِ فاضل بریلویؒ ؎

خَلق سے اولیاء، اولیاء سے رُسُل
اور رسُولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

اور مقبولانِ خدا کی یہ نسبت ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اُنہیں اپنے ساتھ دی ہے اور ہمیں اُن کی پہچان اِسی حوالے سے کرائی ہے اور اُنہوں نے خود بھی پوری زندگی اپنی عزّت کا باعث اِسی نسبت کو قرار دیا اور اِس نسبت سے ہٹ کر اپنے آپ کو کچھ بھی نہ سمجھا، تو اب ہمیں یہ حق کیونکر پہنچتا ہے کہ ہم وہ نسبت اِن مقبولانِ خدا سے ہٹا کر اُنہیں اپنی ذات میں بڑا سمجھنے لگیں۔

اگر صوفیاء کے توحید کے بارے میں وہی عقائد ہوتے جو آج ہمارے اور آپ کے ہیں تو یقین جانیے کہ وہ زندگی بھر ہماری طرح اولیاء اللہ کی صف میں کبھی شامل نہ ہو پاتے۔ جس طرح آج آپ اور ہم اللہ کی وحدانیت کا بہ ظاہر اقرار کرتے ہیں اور اسے اپنا خالق و مالک لوگوں کے مُنہ پہ تو کہہ دیتے ہیں، مگر ولایت سے ہمارا دُور کا واسطہ بھی نہیں اور نہ ہمیں کوئی ولی سمجھتا ہے اور نہ ہم ولی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی توحید کا مفہوم وہی ہے جو اولیاء اللہ نے سمجھا اور بیان فرمایا اور توحید سے متعلق وہی عقائد خاص ہیں، جن کو نہ صرف اُنہوں نے اپنایا، بلکہ اپنے وجود اور پوری زندگی پر طاری کر کے بھی دکھایا۔ اگر اولیاء اللہ کے توحید ورسالت کے بارے میں وہی عقائد تھے جو آج

ہمارے ہیں تو پھر ہمارے ولی بننے میں رکاوٹ کیا ہے؟ آخر ہمارے دل بد ستور کالے کے کالے کیوں ہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمیں اُن کے عقائد کی ہوا تک نہیں لگی، نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا وہ ایمان ہے جو اُن کو حاصل تھا اور نہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے وہ محبت ہے جو انہیں میسّر تھی۔ ولایت کی ابجد تک نہ جانتے ہوئے بھی ہم محض اپنی دکانیں چمکانے، خلقِ خدا کو لُوٹنے اور فریب دینے کے لیے جگہ جگہ خانقاہیں سجائے بیٹھے ہیں۔ صرف اُن کے نام پر ملنے والے صدقات وعطیّات پر ہمارا گزارا ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسی صورتحال میں صوفیائے کرام کی ارواحِ طیّبہ ہم سے خوش ہو رہی ہوں گی۔ اُن کے وصال سے کچھ پہلے کے الفاظ جو اُن کی زندگی بھر کی کمائی اور عقائد ونظریات کا خلاصہ ہے ہم کسی اور مسلک کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے وِصال سے کچھ پہلے آپ کے فرزند حضرت شیخ عبدالوہابؒ نے عرض کی کہ مجھے ایسی وصیّت کیجیے، جس پر میں آپ کے بعد عمل کرسکوں تو آپ نے فرمایا عَلیکَ بتقوی اللہِ وَلاَ تخف اَحداً سِوَی اللہِ وَلاَ ترجُ اَحداً سِوَی اللہِ وَکِلِ الحوائج اِلی اللہِ وَلاَ تَعتَمِد اِلاَّ اِلیہِ وَاطلُبھا جمیعاً مِنہُ وَلاَ تَثِق بِاَحَدِ غیر اللہِ التَّوحیدَ اِجماعَ الکلّ۔۔۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا لازم پکڑ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی نہ ڈر، اللہ

کے سوا کسی سے امید نہ رکھ، اپنی حاجات کو اللہ کے سپرد کردے، اُس پر ہی اعتماد کر اور ہر چیز اُسی سے طلب کر، اللہ تعالیٰ کے کسی غیر پر وثوق (یقین) نہ رکھ، توحید کو لازم پکڑ (مان) توحید کو لازم پکڑ اِس پر سب کا اجماع ہے۔

مسئلہِ توحید پر اجماع ہے

اب حضرت پیرانِ پیرؒ تو فرمائیں کہ مسئلہ توحید سب کا اجماعی ہے۔ اور اُن کے نام نہاد عقیدت مند کہیں کہ لفظِ توحید سرے سے غیر مسلک والوں کی اصطلاح ہے۔

برایں عقل ودانش، بباید گریست

خیال رہے کہ یہاں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اجماع الکلّ کے الفاظ استعمال فرما کے یہ ثابت فرما دیا کہ مسئلہ توحید کسی ایک مسلک یا کسی خاص مکتبۂ فکر کا نظریہ نہیں ہے، بلکہ اِس پر تمام امّت کا اجماع ہے۔ اجماع اگر بمعنیٰ اتّفاق لیا جائے تب بھی کُل سے مراد تمام اہلِ ایمان، بلکہ تمام اسلامی مکاتبِ فکر ہیں۔ اور اگر اصولِ فقہ کی اصطلاح میں اجماع کا لفظ دیکھا جائے تو اُس کے بارے صاحب نورالانوار فرماتے ہیں وَالْمُرادُ باجماعِ الاُمَّۃِ اجماع اُمَّۃِ مُحمَّدٍ ﷺ لِشرافتِھا وَکرامَتِھا سواء" کان اجماعُ اَھلِ المدینۃ اَواجماعُ عترَۃِ الرّسولِ اَوْ اِجماعُ الصّحابۃ اَوْ نحو ھم (کالتّا بعین)

کہ اجماع سے مراد امّتِ محمدیہ علی صاحبہا الثناء والتحیۃ کا اجماع ہے۔ اِس امّت کی شرافت اور بزرگی کے سبب، برابر ہے کہ وہ اجماعِ اہلِ مدینہ ہو یا صحابہ کرام کا اجماع ہو یا ان کی مثل (جیسا کہ تابعین)۔

صُوفیاء کو ماننے والے صوفیاء کی بھی مانیں

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اِن بزرگوں نے عمر بھر جس چیز کی تعلیم دی، جس دروازے کی طرف دعوت دی اور جن عقائد کو قلوب میں اتارنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، ہم اُن کے لیے کہہ دیں کہ یہ ہمارے عقیدے نہیں بلکہ اور لوگوں کے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ موحد مشائخ کے وہ سربراہ اور سرتاج ہیں کہ توحید کے بارے میں آپ کا ایک ایک لفظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ وہ شیخ ہے کہ جس نے بیانِ توحید کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ ایک مجلسِ وعظ میں کس لطیف پیرائے میں صبر و رضا اور شکر کی حسین وضاحت فرماتے ہوئے بندگانِ خدا کے قلوب میں توحیدِ خداوندی کا لازوال عقیدہ جاگزیں کرنے کی کوشش فرمائی، ارشاد فرمایا اُنْظُرْ اِلٰی مَنْ یَنظُرْ اِلیکَ وَأَقبِلْ علٰی مَن اَقبَلَ عَلیکَ وَ اَحْبِبْ مَن یُحبُّکَ وَاسْتَجِبْ مَنْ یَدْعُوكَ وَ اَعْطِ یَدَكَ مَنْ یُثَبِّتُکَ مِنْ سقطَتِکَ وَ یخرِجُکَ مِنْ ظُلُمٰتِ جهلِکَ وَ یُنجیکَ مِنْ هلکَتِکَ وَ یغسِلُکَ مِنْ انجاسِکَ وَ یُنَظِّفُکَ مِنْ

اَوْسَاخِکَ وَیخلِّصُکَ مِنْ جِیفتِکَ وَنَتْنِکَ وَ مِنْ هِمَمِکَ الرَّدِیَّۃِ وَنَفْسِکَ الاَمَّارَۃِ بِالسُّوْءِ وَ اَقْرانِکَ الضّلال المُضِلّین شیَاطِینِکَ وهَوَاكَ وَاَخِلَّاءِ كَ الْجُهّال قُطَّاع طریقِ الحقِّ الحائلینَ بینکَ وَ بینَ کلِّ نفیسٍ وَّ ثمینٍ وَ عَزیزٍ الٰی مَتَی العادۃُ الٰی مَتَی الخلقُ الٰی مَتَی الهوٰی الٰی مَتٰی الرّعُونۃُ الٰی مَتی الدُّنیا الٰی مَتَی الآخرۃُ الٰی متٰی مَا سِوَی المولٰی اینَ انتَ مِنْ خالقِ الاشیاءِ المُکَوِّنِ کُلَّ شیءٍ الاوّل الآخر الظّاهِر الباطِنِ المرجِعِ والمصدرِ الیهِ وَلَهُ القلُوبُ وَ طمانینۃُ الارواحِ وَ مَحَطُّ الاَ ثقالِ والعطاءُ والاِ مْتِنَان (مقالہ نمبر ۶۲ فتوح الغیب) ترجمہ: تُو اُسی کی طرف دیکھ جو تجھے دیکھتا ہے، اُس کی طرف متوجہ ہو جو تیری طرف متوجہ ہے، جو تجھ سے محبت کرتا ہے، تُو اُس سے محبت کر، جو تجھے (اپنی طرف) بلاتا ہے اُس کی پکار اور دعوت قبول کر، اور اپنا ہاتھ اُسے دے، جو تجھے گرنے سے بچاتا ہے، تیری جہالت کی تاریکیوں سے تجھے نکالتا ہے، تیری ہلاکت سے تجھے نجات دیتا ہے، تیری پلیدیوں سے تجھے دھوتا ہے، تیرے میل کچیل سے تجھے صاف ستھرا کرتا ہے، اور تجھے خلاصی عطا کرتا ہے تیرے مردار نفس، تیرے نفس کی بدبو، اُس کے بُرے ارادوں، برائی کا حکم دینے والے تیرے نفس،

تیرے گمراہ اور گمراہ کرنے والے دوستوں، تیرے شیطان، جاہل دوستوں، اللہ تعالیٰ کے راستے کے ڈاکوؤں اور تیرے نفیس و قیمتی اور پیاری چیز کے درمیان حائل ہونے والوں سے۔ یہ عادت کب تک، مخلوق کب تک، خواہش کب تک، سرکشی کب تک، دنیا کب تک، آخرت کب تک، اللہ تعالیٰ کے غیر کب تک۔ اشیاء کے خالق ہر چیز کو وجود عطا کرنے والے سے کدھر مُنہ اٹھا کر جاتا ہے۔ اوّل، آخر، ظاہر، باطن، مرجع اور ماوٰی اُسی کی ذات ہے۔ دلوں کو سنبھالنا، روحوں کا اطمینان اور بوجھوں کا اترنا، عطا کرنا، اور احسان فرمانا، اُسی کی قدرت اور شان ہے۔

کیا سلسلۂ کیف ہے اللہ اللہ

ایک دوسری مجلس میں اِسی توحیدِ خالص کے مضمون کو نہایت دلنشین پیرائے اور واشگاف اُسلوب میں یوں بیان فرماتے ہیں:

ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، بس حق تعالیٰ اس کو اِن کے ہاتھوں کرا دیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرّف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لیے مفید یا مضر ہے اُس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، جو موحد اور نیکوکار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں، بعض اُن میں سے ایسے ہیں، جو ظاہر اور باطن دونو اعتبار سے دنیا سے عاری (دُنیا کے اثرات سے خالی) ہیں۔ گو دولت مند ہیں، مگر حق تعالیٰ اِن کے

اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں۔ جو شخص اس پر قادر ہو اُس کو مخلوقات کی بادشاہی مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، بہادر وہی ہے، جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک کر لیا اور قلب کے دروازے پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لیکر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اِس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلّب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو مہذب کرتی ہے اور توحید و معرفت اِس کے باطن کو آراستہ کرتی ہے۔ (ترجمہ الفتح الرّبانی مجلس ۱۳)

عبدالقادر بارگاہِ قادرِ مطلق میں

اتنا بڑا شیخ، علاّمہ اور جامع الکمالات ہونے کے باوجود خود کو اپنے مالک کے سامنے ایک ذرّۂ بے مقدار تصور کرتے ہوئے اِس طرح حاضر کرتا ہے، جیسے ایک گدا شہنشاہِ وقت کے سامنے اور ایک مفلس و محتاج انسان ایک غنی کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوتا ہے۔ جسے شوق ہو اور توفیق بھی میسّر ہو تو وہ حضرت شیخؒ کے مواعظ اور اُن کے تراجم اور شروح کا خود مطالعہ کر سکتا ہے اور خود پڑھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ غلط ہے یا درست۔ یہاں تو صرف بطورِ مُشتے از خروارے چند مواعظِ شیخؒ کے اقتباس پیش کیے گئے ہیں، ورنہ اُن کے تمام مواعظ میں یہ صداقت آفتابِ نصف النّہار کی طرح چمک رہی ہے۔ مثلاً آپکا یہ خُطبہ اربابِ نظر کو کس طرح دعوتِ فکر دیتا ہے۔ آپؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

أُحْذَرْ معصيةَ اللهِ عزَّوَجلَّ جِدّاً وَالزمْ بابَه حقًّا وَابذُلْ
طَوقَكَ وَجَهدَكَ فِيْ طاعَتِهِ مُتعذِّرًا مُتَضرِّعًا مُفتقرًا
خاضِعًا مُتَخشِّعًا وَمُطرقًا غيرناظرٍ الٰى خَلقِهِ وَلاَ تابِعِ
لِهَوَاكَ وَلا طالبًا لِلاعوَاض دُنيَا وَأُخرٰى والِارتقاء الٰى المنازِلِ
العاليةِ والمقاماتِ الشريفةِ واقْطَع بِأنَّكَ عَبدُه والعبدُ
وَمامَلكَ لِمولاهُ لا يستحقُّ عَلَيهِ شيئًا مِن الاشياءِ اَحسنِ
الاَدبَ وَلاَ تَتَّهِمْ مَولاكَ وَكُلُّ شيءٍ عِندَه بِمقْدارٍ لاَ مُقدِّم لِمَا
اَخَرَ وَلاَ مُؤخِّرَ لِما قدَّمَ يَاتيكَ مَا قدَّرَلَكَ عندَ وقتِهِ وَاجَلِه اِنْ
شئتَ اَو اَبَيتَ لاَتَشرَه عَلٰى مَا سيَكونُ لَكَ وَلاَ تَطلُبْ
وَلاتَتَلَهَّفْ عَلٰى مَا هُوَلغيرِكَ فَمَا لَيسَ هُوَ عِندَكَ لاَ يَخلُوا اِمَّا
أن يكونَ لَكَ اَو لِغيرِكَ فَاِن كانَ لَكَ فَاِليكَ صآئرٌ وَاَنْتَ
اِلَيه مقادٌ وَمَسيرٌ فَاللِّقآءُ عَنْ قريبٍ حاصلٌ وَمَا ليسَ لكَ
فَأنتَ عنهُ مصروفٌ وهُوَ عنكَ مُولّٰى فانّٰى لكُما التَّلاقى
فاشتَغِلْ بِاحسانِ الادبِ فيما انتَ بِصَدَدِهٖ مِنْ طاعةِ مَولاكَ
فِى وقتِكَ الحاضِرِ وَلاَ ترفع رأسَكَ وَلاَ تُمِلَّ عُنُقَكَ اِلٰى مَا

سواه قالَ اللهُ تعالٰى لا تَمُدَّنَّ عَينَيكَ اِلٰى ما مَتَّعنا به ازواجًا
مِنهُم زهرَةَ الحيٰوةِ الدُّنيا لِنَفتِنَهُم فيهِ وَرِزقُ رَبِّكَ خيرٌ
وَّاَبقٰى.............. اِلٰى آخره

ترجمہ ''اللہ عزوجل کی نافرمانی سے بہت بچ اور سچے دل سے اُس کے دروازہ سے چمٹ جا اور اپنی طاقت اور جُہد کو اُس کی عبادت میں معذرت کرتے ہوئے، گڑگڑاتے ہوئے، حاجت مند ہوتے ہوئے، پستی اور عاجزی کرتے ہوئے، آنکھیں نیچی کیے ہوئے اللہ کی مخلوق کی طرف دیکھے بغیر، اپنی خواہش کا اتباع کیے بغیر، دنیا اور آخرت میں معاوضے کا طالب ہوئے بغیر، بلند منازل اور مقاماتِ شریفہ کی طرف ترقّی کی طلب کے بغیر صرف کر۔ اور یہ یقین کر لے کہ تو اُس کا بندہ ہے اور بندہ اور اس کا مال اُس کے مولا کا ہوتا ہے۔ بندہ اللہ تعالٰی پر کسی چیز کی طلب کا حق نہیں رکھتا۔ خوب ادب کر، اپنے مولا پر تہمت نہ لگا اور ہر چیز اُس کے ہاں ایک اندازے کے ساتھ ہے، جسے اُس نے موخر کر رکھا ہے اُسے کوئی مقدم کرنے والا نہیں اور جسے مقدم کر دیا اُسے کوئی موخر کرنے والا نہیں ہے۔ جو چیز اللہ تعالٰی نے تیرے لیے مقدر کی تو اُسے چاہے یا اُس کا انکار کرے وہ اپنے وقتِ مقرّرہ پر تیرے پاس آئے گی اُس چیز کی طلب اور لالچ نہ کر جو عنقریب تیری ہوگی۔ اور جو چیز تیرے غیر کی ہے اُس کی طلب اور افسوس نہ کر، کیونکہ جو چیز تیرے پاس نہیں اُس کی دو صورتیں ہیں، تیری ہے

یا تیری نہیں۔ اگر وہ تیری ہے تو تیرے ہی پاس آئے گی اور تجھے اُس کی طرف کھینچا جائے گا اور پہنچا دیا جائے گا تو عنقریب وہ تجھے مل کر رہے گی اور جو چیز تیری نہیں، تجھے اُس سے پھیر دیا جائے گا اور وہ تجھ سے پھرنے والی ہے پھر تیرے اور اُس چیز کے درمیان ملاقات کیسے ممکن ہے؟ لھٰذا تو اپنے موجودہ زمانہ میں جس کے در پے ہے اچھے ادب سے اس میں ایسا مشغول رہ جیسا کہ تیرا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا ہے۔ اور اپنا سر نہ اُٹھا اور اپنی گردن کو نہ پھیر اللہ کے غیر کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اُن چیزوں کو گھور کر نہ دیکھ جو ہم نے کفار کو دنیا کی زندگی میں آسائش کے لیے دیں، تا کہ ان کو فتنے میں ڈالیں اور امتحان کریں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے''۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُس سے جس میں تُو ہے غیر کی طرف توجہ کرنے سے روکا ہے۔ تجھے اپنی بندگی نصیب کی ہے، قسمت، رزق، اور اپنا فضل تجھے عطا کیا اور تجھے خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا جو ہے فتنہ (آزمائش) ہے، جس سے اللہ بندوں کو آزماتا ہے۔ تیرا اپنی قسمت پر راضی رہنا تیرے لیے زیادہ بہتر، مناسب اور اولیٰ ہے، تُو چاہے کہ تیرا یہ طریقہ، تیرے پلٹنے کی جگہ، ٹھکانہ، تیرے ظاہر و باطن کی علامت، تیری مراد، تیرا مقصد، تیری خواہش، اور یہی تیری تمنا ہو تو اس طریقہ سے تُو ہر مقصد و مراد پائے گا اور اسی کے ساتھ ہر مقصد و مراد تک پہنچے گا اس کے ذریعہ ہر خیر، نعمت، تازگی، سُرور اور نفاست والی چیز تک تُو ترقی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''کوئی جان نہیں

جانتی کہ اس کے عمل کی جزاء دینے کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک سے کیا چیز اس کے لیے پوشیدہ رکھی گئی ہے'' پانچ وقت کی عبادات کے اور گناہوں کو چھوڑنے کے بعد کوئی عمل اس عمل سے جسے تیرے لیے ذکر کیا گیا ہے زیادہ جامع، زیادہ عظمت والا، زیادہ بزرگی والا اور اللہ کے ہاں زیادہ پیارا اور پسندیدہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے اس کام کی توفیق دے جو اسے محبوب اور پسند ہے۔

علم و عمل کا حسین امتزاج

حضرت شیخ نے جس علمی جلالت، دینی بصیرت اور رُوحانی گہرائی کے ساتھ یہ گفتگو فرمائی ہے وہ اُن کے جامع شریعت و طریقت شیخ ہونے کی بڑی گواہی ہے، اِسی طرح ہر دور میں مُستند بزرگانِ دین نے یہی طریقہ تبلیغ اپنائے رکھا آج ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم نے علم اور پیری کو دو الگ حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حالانکہ تکمیلِ انسانیت کے لئے علم اساسی حیثیت رکھتا ہے، شیخ سعدی علیہ الرّحمۃ کے بقول ؎

بنی آدم از علم یابد کمال　　نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

علم سے ہی عمل کا شعور پیدا ہوتا ہے، جو علماء و مشائخ دونوں کے لئے ضروری ہے۔ علماء نے علم حاصل کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے دین کے چار لفظ سیکھ لئے، بس ہم نے منزل پالی، عمل کی چنداں ضرورت نہیں یہ بھی مقصدِ علم سے محروم رہ گئے اور جن

مشائخ نے محض دُکانداری چلانے کے لئے پیری مُریدی کا دھندا شروع کیا، اُنہوں نے دینی علوم کی تحصیل کو غیر ضروری سمجھا لھذا ایسے لوگ بھی عمل کے میدان میں بہت پیچھے رہ گئے۔ یعنی علم حاصل کرنے والوں نے بھی علم کو صرف ذریعۂ معاش سمجھ کر حاصل کیا اور پیری کی مسند پر بیٹھنے والوں نے بھی اس منصب کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنالیا، دونوں کا مقصد دُنیا کمانا ہوگیا لھذا ہر دو طبقے حقیقت سے بہت دُور جا پڑے۔ اس لئے فی زمانہ نہ علماء کی وہ قدر ومنزلت رہی اور نہ مشائخ کی۔ جب کہ صوفیائے سلف اور کاملینِ ماسبق بیک وقت جید ومُستند علماء بھی تھے اور پاکیزگیِ کردار، تزکیۂ نفس، اعمالِ صالحہ، ذکر وفکر، بے رغبتیِ دُنیا اور تقویٰ شعاری کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے سبب مسندِ مشیخت کی زینت بھی ہوا کرتے تھے۔ اُس دور کے علماء ومجتہدین قرآن وسنّت کی تعلیمات پر چل کر خود مقتدائے وقت ہوتے تھے۔ ایک شیخِ کامل کا مُرید صادق بننے سے جو باطنی فیوض حاصل ہوسکتے ہیں، قرآن وسنّت پر عمل پیرا ہونے کے سبب وہ کسی پیر کے حلقۂ مُریدی میں داخل ہوئے بغیر حاصل کرلیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کے فقہ کے چار اماموں کا کسی شیخِ طریقت کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور کسی کا مُرید ہونا تاریخ سے ثابت نہیں۔ اسی طرح صحاحِ ستّہ کے جامعین کا کسی شیخِ طریقت کے حلقۂ مُریدی میں شامل ہونا بھی ثابت نہیں۔ یہ بات اُن کے سوانح اور تراجم سے بالکل عیاں ہے۔

مسئلۂ بیعت کی وضاحت

یہ تو بہت پُرانے دَور کی بات ہے، میں آپ کو قریب دَور کی ایک مثالی دیتا ہوں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ جو مولنا احمد علی محدّث سہارنپوریؒ کے شاگرد تھے، جب آپؒ سے پُوچھا گیا کہ حضرت سہارنپوریؒ تو کٹر وہابی تھے، آپ اُن کے شاگرد کیسے بنے؟ تو حضرت پیر صاحبؒ نے جوابًا کہا حضرت احمد علی سہارنپوریؒ کٹر حنفی تھے البتہ صوفیاء کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ یہ واقعہ آپ کی سوانح حیات، مہرِ مُنیر میں تفصیلاً موجود ہے۔ حضرت گولڑویؒ کے اس جامع جواب نے بہت سے سوالوں کے جواب دے دیئے۔ اوّل یہ ہے کہ کسی مستند عالم کے لئے کسی شیخِ وقت کا مُرید ہونا ایسا ضروری نہیں کہ اس کے بغیر اُس کا اسلام، ایمان یا شخصیت نامکمل رہے، کیوں کہ حضرت سہارنپوری "کسی کے مُرید ہوتے تو پیر صاحبؒ فرماتے کہ آپ اُنہیں وہابی کیسے کہہ رہے ہیں وہ تو فلاں شیخ کے مُرید ہیں۔ دوم یہ کہ صُوفیاء کے ہاں جو رسوم آج درگاہوں میں رائج ہیں اُنہیں ضروریاتِ شرعیہ اور دینی شعائر کا درجہ ہرگز حاصل نہیں کہ جن پر ایمان رکھنا ضروری ہو البتہ اُن میں سے جس رواج یافتہ بات میں دینی نقطۂ نظر سے کوئی قباحت نہ ہو، اُسے اچھی رسم کہا جاسکتا ہے۔ سوم یہ کہ ایسے جملہ خانقاہی اُمور، رسوم کے زمرے میں آتے ہیں اور رسوم کی پابندی نہ کرنے سے کسی کو وہابی نہیں کہا جاسکتا۔ چہارم یہ کہ رسومِ خانقاہ کی پابندی نہ کرنے والوں کہ متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ مرتبۂ ولایت کے بھی

منکر ہوتے ہیں، قطعاً غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت احمد علی سہار نپوریؒ کسی شیخِ وقت کے رسمی مُرید نہ ہونے کے باوجود قرآن وسنّت کی روشن تعلیمات سے مقاصدِ بیعت حاصل کر چکے تھے اور کسی شیخ سے رسمی اجازت نہ پانے کے باوجود اپنے بے مثال زہدو تقوی اور علم وعمل کی بدولت بجائے خود ایک جلیل القدر اور فقید المثال مقتدا اور شیخ تھے۔

اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو کیا ہم معاذ اللہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ حضرت گولڑویؒ جیسی عظیم شخصیت نے ایک ایسے آدمی کہ سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ، جو نہ کسی شیخ کا مُرید تھا، نہ پیری مُریدی کا قائل تھا، بلکہ محض قرآن وسنّت کی لفظی تعلیم کا ایک مدرّس تھا اور پھر اس سارے خانقاہی نظام میں رواج یافتہ اُمور کو انسانوں کی محض خود ساختہ رسموں کا درجہ دینے والا تھا۔ اور پھر اِس بے سند قول [جسے بعض لوگوں نے جہالت کے سبب حدیثِ رسول کا درجہ دے رکھا ہے] جس کا کوئی پیر نہیں اُس کا پیر شیطان ہے،، کے مطابق حضرت گولڑویؒ کے اُن محترم اُستاد کی کیا حیثیت متعین ہوگی۔ لھذا یہ بات تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں کہ پُرانے علماء، جو یقیناً علمائے خیر تھے قرآن وسنّت ہی کو اپنا شیخ اور مرشد مانتے تھے اور ماننا بھی چاہیے کیونکہ شیخِ وقت بھی مُرید کرنے کے بعد قرآن وسنّت پر ہی عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے ۔ ایسا تو نہیں کہ مشائخ کے پاس کوئی الگ مذہب یا کتاب ہو یا وہ معاذ اللہ قرآن و سنّت سے ہٹ کر اپنے کسی خود ساختہ دین کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ لھذا ہمیں

مشائخ وعلماء سے زیادہ قرآن اور سنّت کی تعلیمات کی عزّت وتکریم کرنی چاہئے اور ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے ہدایت کے یہی دو مرکز اور سرچشمے ہونے چاہییں۔ اس مسئلہ کی مزید تحقیق ہمارے مقالہ ’’آئینہ شریعت میں پیری مُریدی کی حیثیت،، میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کسی عالم وکامل شیخ سے نسبت قائم کرنے سے جو روحانی وقلبی ثمرات حاصل ہوتے ہیں، اُن سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ دورِ حاضر میں اگلے مشائخ کا علم وفضل، زہد وتقوی اور دوسرے کمالات بہت کم پائے جاتے ہیں اِلاَّ ماشاء اللہ۔ اس لئے جو لوگ یہ جان کر کہ کسی شیخِ وقت کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے اور بے پیرا انسان گمراہ ہوجاتا ہے، اہل ونا اہل کی تمیز کئے بغیر مرید ہوجاتے ہیں اُن کو ایک نہ ایک دن ہر طرح کے غیر معمولی نقصانات کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور پھر وہ اِس سارے نظام کے مخالف اور اس سے بُری طرح بدظن ہوجاتے ہیں۔ اِن حالات میں عوام وخوا ص کے لیے بہتر یہی ہے کہ مرید ہونے سے پہلے ہر طرح سے اطمینان کرلیں لوگوں کی سُنی سنائی باتوں اور کسی شیخ کے متعلق پھیلائی ہوئی کرامات کی داستانوں سے متأثر نہ ہوں، کچھ عرصہ براہِ راست قُرب حاصل کریں اور دیکھیں کے پیر صاحب قرآن وسنّت کا کتنا علم رکھتے ہیں اور اُن کے عمل کی صورتِ حال کیا ہے جب ہر طرح سے تسلی ہو جائے تو پھر اُس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، اگر کسی انسان کو

کسی شیخ کا مرید ہو جانے کے بعد کم از کم قلبی ذوق وسکون کی دولت بھی میسر نہ آئے تو میرے خیال میں ایسے مُرید ہونے سے نہ ہونا بہتر ہوگا۔ تاکہ کل یہ نہ کہتے پھریں۔

وہ بھی اپنے نہ ہوئے دِل بھی گیا ہاتھوں سے
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا دِل کا

حقیقت خرافات میں کھوگئی

یہی وجہ ہے کے آج مشائخِ سلف کے نظامِ تربیت کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں ملتی، صرف دکانیں چمکانے کا اہتمام نظر آتا ہے، مجلس آرائی کا تکلف کیا جاتا ہے، اُن خطباء کو سٹیج پر دعوتِ خطاب دی جاتی ہے، جو صرف محفل میں موجود پیر صاحب کے اُلٹے سیدھے فضائل وکرامات بیان کریں اُن کی وہ خوبیاں سرِ عام بیان کریں، جو اُن میں نہیں ہیں، اُن کے لیے ایسے بلند القاب استعمال میں لائیں، جن کے وہ قطعاً اہل نہ ہوں بلکہ القاب خود شرمانے لگیں کہ ہمیں کس سے منسوب کیا جارہا ہے، ایسے دو نمبر مشائخ کی محفل میں قرآن وسنّت کی تعلیم کو عام کرنے کے بجائے مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ مریدین پر صاحبِ قبر اور اس کے متولی کی شان اُجاگر کی جائے اگر قرآن وسنّت کی تعلیمات کے حوالے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کو سامنے لایا جائے تو پھر خانقاہ اور اہلِ خانقاہ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے لوگ قرآن وسنّت کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اس لیے اکثر خطباء خانقاہوں کی محافل میں قرآنی آیات کی تلاوت محض تبرّکاً فرما

دیتے ہیں اور پھر گلے کا سارا زور صاحبِ قبر اور اسکے سجّادہ نشین کی کرامات وفضائل بیان کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ صوفیائے سلف کے ہاں ایسی محافل کے انعقاد کا مقصد اپنے یا اپنے بزرگوں کی کرامات وفضائل سے عوام کو متاثر کرنا ہرگز نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ اپنی موجودگی میں قرآن وسنّت کی تعلیمات وعقائد کو زائرین کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام کو بلند کرنا اپنا فریضۂ منصبی سمجھتے تھے۔ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ گولڑہ شریف کی محافلِ اعراس میں میرے جدِّ امجد حضرت بابو جیؒ اُس دور کے مشہور عالمِ دین اور خطیب مولٰنا عبد الغفور ہزارویؒ کو اپنے والدِ ماجد حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی کرامات وفضائل بیان کرنے سے بہ شدّت منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ قرآن وسنّت کی تعلیمات بیان کیا کریں، حضور علیہ السّلام کی سیرتِ طیّبہ اور اخلاقِ حسنہ کا درس دیا کریں، البتّہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کی اُن دینی خدمات ومساعی کا ضمناً تذکرہ کرنا ممنوع نہیں جو اُنہوں نے باطل فرقوں کا شرعی دلائل کی روشنی میں ردِّ بلیغ لکھ کر فرمائی ہیں، انہیں عوام تک پہنچانا چونکہ خدمتِ دین ہے اس لئے ایسے بیان سے میں آپ کو نہیں روکتا، مگر صرف اُنہی کی ذات کو موضوعِ خطاب بنالینا اور اُنہی کے کرامات وکمالات اور فضائل پر انحصار کرنا مجھے ہرگز پسند نہیں، کیونکہ یہ طریقہ خود پیر صاحبؒ کو بھی قطعاً پسند نہیں تھا۔ میرے جدِّ امجد کا مذکورہ بالا طریقہ در اصل مشائخِ سلف کا وہ طریقہ تھا جس کے ثمرات ونتائج اور اُس کی افادیّت واہمیّت پر

میں نے زور دیتے ہوئے صوفیائے سلف کی پاکیزہ زندگیوں اور اُن کے طور طریقوں کا حوالہ دیا ہے۔ رسم کی حد تک رہ جانے کے سبب پیری مُریدی آج اپنی معنویّت کھو بیٹھی ہے، صوفیاء نے جس نظامِ پاکیزہ کو اصلاحِ معاشرہ کی خاطر رواج دیا تھا اور جس اخلاص و بے ریائی سے قرآن وسنت کی تعلیم عوام تک پہنچانے کی سعی فرمائی تھی، موجودہ خانقاہی نظام میں اس کا محض ڈھانچہ تو رہ گیا مگر اُس کی روح پرواز کر گئی۔ اِنا لِلّٰہِ واِنّآ اِلیہِ راجعُون، بقولِ علّامہ اقبالؒ۔ ع

خانقاہوں میں مُجاور رہ گئے یا گور کَن

اِسے بھی پڑھیئے

بعض لوگ میرے اس نقطۂ نظر سے شاید اتفاق نہ کریں اور کہیں کہ اس میں صُوفیاء کے ورثاء کی توہین ہے یعنی وہ اپنے اسلاف کا حقِ سجّادگی ادا کرنے سے قاصر ہیں یا وہ خود کو اس کا اہل ثابت نہ کر سکے۔ یہ اعتراض بظاہر درُست نظر آتا ہے مگر غور کرنے اور اس پورے موجودہ نظام کا تجزیہ کرنے کے بعد ان تلخ حقائق کو تسلیم کیئے بغیر چارہ نہیں رہ جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خانقاہی نظام میں مروّجہ سجّادگی کا منصب کوئی منصوص من اللہ منصب بھی نہیں کہ جس کے انکار سے کُفر لازم آتا ہو، نہ اس خلافت کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے اور نہ احادیثِ مبارکہ میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ جس خلافت و نیابت کا ذکر و وعدہ قرآنِ مجید کی آیتِ استخلاف میں آیا ہے یا حدیث شریف

میں جس خلافت کا ذکر کیا گیا، اُس کا ظہورِ کامل بھی خلافتِ راشدہ کے بعد نہ رہا۔ اگرچہ ملوکیّت کے علم برداروں نے اپنے آپ کو خلیفہ ہی کہلوایا، مگر وہ خود کو اُس خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یا خلافتِ راشدہ کا اہل ثابت نہ کر سکے۔ اس موضوع پر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ”فتاویٰ مہریہ“ میں لکھتے ہیں، ”خلفائے اربعہ کے بعد خلافت کی صرف صورت ہی باقی رہی اور معنیً بالکل ختم ہوگیا، جیسا کہ امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت“ اس تبصرہ سے آپ کا مقصد ایک صحابی کی توہین ہرگز نہیں، بلکہ اُس معیارِ بلند کا تذکرہ مقصود ہے، جو خلفائے راشدین نے قائم کیا تھا اور جس نظام کا ہر رُخ منہاجِ نبوّت کا عکسِ مکمل تھا۔ اُمرائے بنواُمیّہ نے خلافتِ راشدہ کی سادگی اور دوسرے فضائل سے محروم ہو جانے کے سبب شاہانہ اندازِ حیات اپنا لیا تھا، لھٰذا خلافت وملوکیّت میں بُعد المشرقین ہوگیا۔ اگرچہ حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ نے ملوکیّتی عناصر سے اپنا دامن بچا کر رکھا، مگر اُن کے بعد پھر رنگِ ملوکیّت پوری طرح غالب رہا۔ یہاں ہم نے خلافتِ راشدہ اور اُس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت کی مثال دے کر یہ واضح کرنا چاہا کہ اگر حضور علیہ السّلام کے چہرہ مبارک کی زیارت کرنے اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں اتنا بڑا فرق پایا جا سکتا ہے حالانکہ خلافتِ راشدہ اور اس سے متّصل دور خیرُ القرونِ قرنی ثم الّذین یلو نھم میں داخل تھا تو صوفیائے سلف جو آٹھ نو سو برس پہلے گزرے ہیں اُن کے دور کے نظامِ خانقاہی اور آج کے نظامِ خانقاہی کو کس بنا پر

برابر قرار دیا جاسکتا ہے، اور ہم کن دلائل کی روشنی میں موجودہ مشائخِ عظام کو ادوارِ سابقہ کے مشائخِ کرام کا ہم پلہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ آج کے اِس سارے نظام میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اکثر حصّہ ایسا ہے جس کا پُرانے نظامِ صوفیاء سے کوئی تعلق نہیں لِلا کثرِ حکمُ الکُل اور اَلقلیلُ کَا لمعدوم کے تحت ہم اسے ایک بے روح ڈھانچہ کہہ سکتے ہیں جس پر کَاَنَّھُم خُشُبٌ مسنّدۃ کی آیتِ کریمہ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، اگر اس سارے جمود و تعطّل کا سبب تلاش کیا جائے تو اس کا سبب عقیدہ توحید سے نا آشنائی، حُبِّ دُنیا، ریا کاری، مال و اولاد میں جذبہ مسابقت اور قرآن و سنت کی تعلیمات پر ترکِ عمل نکلے گا۔ علاوہ ازیں یہ کہ ہم صُوفیائے سلف کو محض کیش کرانے کے لئے خود کو اُن کا عقیدت مند ثابت کرتے ہیں، اُن کے نام پر مال و دولت جمع کرنا ہمارا وطیرہ ہے۔ ہم اُن کی تصانیف اور مواعظ میں موجود تعلیمات اور عقائد و نظریات کو کچھ بھی نہیں سمجھتے، صرف اُن کی نشر و اشاعت کو بڑا کارنامہ خیال کرتے ہیں۔ دوسروں کو بزرگوں کی کتابیں پڑھنے اور اُن پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور اُن چیزوں پر خود نہ سنجیدہ یقین رکھتے ہیں اور نہ اُن پر عمل کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ یہ تو اسلاف کے اکثر سجّادگان اور وارثان کی حالت ہے، اب ذرا موجودہ خانقاہی نظام سے وابستہ عقیدت مندوں کی عقیدت مندی پر بھی نظر ڈالئے کہ اُن کی محبت اور وابستگی کس درجہ کی ہے۔ اکثر وابستگانِ نظامِ خانقاہی یا تو خاندانی پیر خانہ سسٹم کی وجہ سے

درگاہوں میں آتے جاتے ہیں کہ لوگ کہیں یہ نہ کہیں اِن کے بزرگ تو فلاں حضرت صاحب کے مرید اور نیاز مند تھے پس ماندگان درگاہوں کے منکر ہوگئے یا پھر کسی درگاہ کے ساتھ وابستگی کے حوالے سے معاشرے میں یا سیاسی ماحول میں جو شہرت و مقبولیت ملی ہوتی ہے اُسے محفوظ و برقرار رکھنے کے لئے چاروناچار درباروں کی حاضری دیتے رہتے ہیں اور کچھ غمِ روزگار کے مارے دکھوں اور مصیبتوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے اربابِ خانقاہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر درگاہوں کی حاضری دیتے ہیں، اگر اللہ کے فضل سے اُن کی مشکلات دور ہو جائیں تو کچھ دن آنا جانا رکھتے ہیں، ورنہ اس پورے نظام ہی کے منکر ہو جاتے ہیں الغرض وصول الی اللہ اور تعلّق باللہ کے حصول کی نیّت سے آنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہو چکا ہے، کیا اولیاء اللہ سے محبّت و عقیدت کے ایسے کھوکھلے دعوے رکھنے والوں کو سچّا طالب کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دراصل ایسے جعلی عقیدت مند عقیدت کا ڈھونگ رچا کر سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں، اُن کی عقیدت کے دعوے اُسی وقت تک برقرار رہتے ہیں، جب تک مشائخِ سلف کے پسماندگان اُن کو دنیوی فائدہ پہنچاتے رہیں، جب مفادات کا دروازہ بند کر دیا جائے تو یہی اولیاء کے عُشّاق اور اُن کی عزّت پر جان دینے والے اُن کے خلاف زبان کھول کر وہ زہر اُگلتے ہیں کہ انسان سن نہیں سکتا، کوئی کہتا ہے کہ یہ بیچارے کسی کو کیا دے سکتے ہیں جو خود دوسروں کے نذرانوں پر وقت گزارتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ قبر میں مدفون

حضرات مٹی کے ساتھ مٹی ہو گئے ، اتنے بڑے گنبد بنانے اور اتنی وسیع درگاہیں تعمیر کرنا فضول خرچی اور شرعاً گناہ ہے' کوئی کہتا ہے کہ وہابی سچ کہتے ہیں کہ دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے یہ قبروں میں مدفون کسی کو کیا دے سکتے ہیں' جن کے متعلق کسی کو اتنا پتہ نہیں کہ قبر میں اُن کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ ہم نے ایسی بہت سی باتیں ایسے لوگوں سے خود سنیں اور ایسی ہزاروں باتیں ہم تک پہنچی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ کل تک یہی لوگ اولیاء اللہ کی عقیدت میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ معاذ اللہ حاجات برآری اور نفع وضرر کا مالک بھی اِنہی کو سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اِن کا عقیدہ یہ تھا کہ اُس نے ساری کائنات کا نظام اُنہیں کے سپرد کر دیا اور خود معاذ اللہ فارغ اور بیگانہ ہو کر بیٹھ گیا، مخلوق کی حاجات یہی پوری کرتے ہیں' اولاد یہی دیتے ہیں، قضاو قدر میں اِنہی کا حکم چلتا ہے، سفید وسیاہ کے یہی مالک ہیں' جس کو جس وقت جو چاہیں دے سکتے ہیں' یہ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے ہیں، دور ونزدیک سے سب کی پکار نہ صرف سنتے ہیں' بلکہ وہاں پہنچ کر اُس کی ہر مشکل کو حل بھی فرماتے ہیں' اِن کی ناراضگی انسان کو نقصان اور اِن کی خوشنودی انسان کو نفع پہنچاتی ہے' اللہ کا قُرب ملے نہ ملے اِن کا قُرب مل جائے تو انسان سب کچھ پالیتا ہے۔ کیا حیرت کا مقام نہیں کہ عبادِ صالحین کے ساتھ مندرجہ بالا غلو پر مبنی عقیدت رکھنے والے اُنہیں مفاداتِ دنیا کے عدمِ حصول کی صورت میں اس قدر نیچے گرادیں کہ اُن کی بے بسی اور ایک تنکے کی بے بسی میں کوئی فرق

نہ رہے، عقیدت کی انہی بے اعتدالیوں سے بچانے کے لیے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے تحریرات ومواعظ میں انسان کو اپنے حقیقی مالک کے دروازے پر دستک دینے اور التجائیں کرنے کی تلقین فرمائی' اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضرت شیخؒ کے دل میں اولیاء اللہ کی عزت اور تکریم نہ تھی کہ اُنہوں نے انسان کو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے دروازے کا راستہ دکھایا، شیخؒ سے زیادہ مراتبِ ولایت سے آشنا کون ہوسکتا ہے؟ اور پھر وہ تو خود سرتاجِ اولیاء ہیں' اس کے باوجود آپ نے اُمت کو وہی تعلیمات دیں ، جو رسالت مآب علیہ السّلام اور جملہ انبیاء ومرسلین اپنے اپنے ادوارِ مقدسہ میں دیتے رہے' آپ کا یہ مختصر اور جامع خطبہ اسی اندازِ تبلیغ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ذرا دل کی آنکھ سے اِس پاکیزہ خطبے کا ایک ایک لفظ دیکھیں اور حضرتِ شیخؒ کے ذوقِ توحید کا اندازہ لگائیں۔ قَالَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه مَا سال النّاس مَن سَأَل اِلّا لِجهلِهٖ باللّٰهِ و ضُعفِ ایمانِ ومعرفتِهٖ ویقینِهٖ وقِلّة صبرِهٖ وَ مَاتعفّفَ عَن ذٰلك الّا لِوُفورِ علمهٖ باللّٰه عزو جَلّ وَ قُوّةِ ایمانِهٖ وَیقینِهٖ و تزائدِ معرفتِهٖ برَبِّهٖ فی کُلّ لحظةٍ دائم و حیائهٖ منهُ عزّو جَلّ۔ مقالہ نمبر۴۳ فتوح الغیب (ترجمہ) آپ رضی اللہ نے فرمایا جس کسی نے لوگوں سے مانگا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بے علم ہے' اُس کا ایمان، معرفت اور یقین کمزور ہے' اُس کی طبیعت میں بے صبری ہے اور جو مانگنے سے بچتا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو

زیادہ جانتا ہے اُس کا ایمان ویقین اللہ تعالیٰ کے متعلق قوی ہے' اپنے رب کی معرفت اُسے ہر لحظہ اور ہر آن ہمیشہ زیادہ ہوتی جاتی ہے اور اُسے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔

تجزیہ مُنصفانہ

آپ کے منظوم کلام میں بعض اشعار ایسے ضرور ہیں کہ عام قاری انہیں پڑھ کر حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور اُس کے دل میں خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ آپ کے مواعظ وتحریرات کے مطالب اور آپ کے اشعار کے مضامین میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے مواعظ وتحریرات میں ماسوی اللہ سے انقطاع اور انابت اِلیٰ اللہ کا درس ملتا ہے' جبکہ آپ کے بعض اشعار میں خودستائی اور اپنے تصرّفات کا ذکر پایا جاتا ہے' یہ انتہائی نازک مرحلہ ہے کہ انسان ایک قائل کے دونوں کلاموں میں کسے قابلِ تقلید سمجھے۔ مواعظ وتصانیف کو یا اُن کے کلامِ منظوم کو۔ میں خود بھی اِسی اُلجھن میں ایک عرصہ تک مُبتلا رہا مختلف اہلِ علم سے اِس بارے میں سوالات کیے' مگر جوابِ شافی نہ پایا کہ دِل مطمئن ہو جاتا۔ اِس سلسلے میں سب سے پہلی یہ بات ہے کہ بزرگانِ دین یا کسی اور انسان کی طرف منسوب نظم ونثر پر کوئی شخص حتمی فیصلہ نہیں دے سکتا کہ یہ کلام من وعن اُسی شخص کا ہے' جن سے منسوب ہے۔ قرآنِ مجید کے علاوہ کوئی ایسا کلام دنیا میں نہیں جو اصلی حالت میں موجود ہو۔ حتّٰی کہ احادیثِ نبویہ کی صحتِ اتصال وانتساب کے سلسلے

میں ائمۂ جرح وتعدیل نے جو شرائطِ قبول مقرر فرمائی ہیں، وہ بھی اِسی تحقیقی سلسلے کی کڑی ہے۔ یہی وجہ ہے علمائے حدیث کتبِ احادیث میں موجود ہر حدیث کو قبول کرنے میں تامّل کرتے ہیں اور اُس پر کوئی حُکم لگانے سے پہلے ناقدینِ فن کی اُس حدیث کے متعلق تحقیق اچھی طرح معلوم کر لیتے ہیں' اِسی لئے تو احادیثِ طیبہ کے اقسام اور درجات مقرر کیئے گئے اُن سے اثباتِ مسائل، مجمل ومقید، مفسّر ومحکم اور ناسخ ومنسوخ کے قواعد میں حسبِ درجہ کام لیا جاتا ہے' جسے شوق ہو وہ اُصولِ فقہ کی کتب نورالانوار، حُسامی' توضیح تلویح اور مسلّم الثبوت اور اُصولِ حدیث کی نخبۃ الفکر اور نُزھۃ النظر وغیرہ کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مرورِ وقت سے ہر چیز کی طرح سپردِ قرطاس نقوش میں کمی بیشی اور اسکی صحتِ انتساب پر اثر ضرور پڑتا ہے۔ اگر ایسے تمام اثرات سے کوئی کتاب آج تک بلکہ قیامت تک محفوظ رہے گی' وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآنِ مجید ہے' جس کے بارے میں اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُونَ کا ابدی وآفاقی اعلان پوری شان وشوکت سے جگمگا رہا ہے' اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم بزرگانِ دین سے منسوب نظم ونثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ذہن بعض دفعہ عجیب اُلجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے اُس میں بعض ایسی چیزیں ملتی ہیں' جن کے ماننے سے عقل انکار کر دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ بزرگوں سے منسوب چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں اور بزرگوں کے معتقد حضرات اُن پر گستاخی کا فتویٰ داغ دیتے ہیں‘ اس سلسلے میں غم وغصہ کرنے کے بجائے ٹھنڈے دِل سے معترضہ اشیاء پر غور کر لینا چاہئے‘ انسان کسی نہ کسی اچھے نتیجے پر پہنچ ہی جاتا ہے‘ ایسی صورت میں بزرگوں کے کلام میں جو بات قرآن وسنت سے متصادم نظر آئے، اُسے الحاقی سمجھنا چاہیئے کیونکہ صوفیائے کرام کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ بھی ہونا چاہیئے کہ وہ کبھی ایسی بات نہیں کر سکتے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

یہ اعتراض بھی ہوسکتا ہے

مخالفین ومعترضین حضرات‘ پیرانِ پیرؒ کے فتوح الغیب میں مندرج خطبات اور آپ سے منسوب بالخصوص قصیدۂ غوثیہ کے بعض اشعار پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان دونوں میں کُھلا تضاد پایا جاتا ہے آپ کی تصانیف کچھ اور کہتی ہیں جب کہ آپ کا کلام کچھ اور کہتا ہے‘ یا تصانیف آپ کی نہیں یا پھر آپ سے منظوم کلام کا انتساب غلط ہے‘ کیوں کہ ایک ہی انسان دو متضاد کلام نہیں کر سکتا‘ پھر اتنی بڑی شخصیت سے ایسی امید نہیں کی جاسکتی جو جامعِ شریعت وطریقت ہو۔ مندرجہ بالا تمام اعتراضات جوابِ شافی چاہتے ہیں اور جوابِ شافی وکافی ایک مسلمان کے نزدیک وہی ہوتا ہے، جو قرآنِ مجید اور سنتِ نبویہ سے پیش کیا جائے‘ چونکہ یہ ذرا تفصیل طلب مسائل ہیں اس لئے

ہمیں قدرے تفصیل میں جانا پڑے گا، تاکہ ہر پہلو سے بات ذہن نشین ہو سکے اور ہر طرح کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے۔

اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اس پوری کائنات کا خالق ومالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اُسے اپنی ہر تخلیق پر ہمہ وقت کُلّی اقتدار واختیار حاصل ہے، اُسے نظامِ کائنات چلانے میں اپنے کسی بندۂ مقرب کے مشورے یا تعاون کی کوئی احتیاج نہیں‘ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے انبیاء ومُرسلین کو عہدۂ رسالت ونبوّت کے لئے منتخب فرمایا ہے، مگر ان کے اِس اِمتیاز واختصاص کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ طبقہ معاذ اللہ اُس کی ذات وصفات میں اُس کا شریک وسہیم ہے بلکہ یہ سب کے سب اُس کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اپنی عاجزی وبندگی کا اظہار کرنے والے ہیں البتہ اُس نے انسان کو محض اپنے کرم سے اپنی بعض صفات کا مظہر بنایا‘ چنانچہ فرمایا فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا کہ ہم نے انسان کو سُننے اور دیکھنے والا بنایا ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ صفات اللہ کی ذاتی ہیں‘ مگر اُس نے ازراہِ عطا سماعت وبصارت اور علم وحیات جیسی کئی صفات میں انسان کو شریک فرمایا، جسے کوئی بھی شرک نہیں کہہ سکتا۔ دوسری صفات کی طرح اللہ کی ایک صفت قبض اور دوسری صفت بسط بھی ہے‘ یعنی

جو چیز جس وقت جس پر روکنا چاہے روک سکتا ہے' پھر اُسے دے کوئی نہیں سکتا۔ اگر کسی پر کوئی چیز کھول دے تو اُسے کوئی بند نہیں کر سکتا' یہ ایسی صفات ہیں جو اُس کی ذات ہی سے مختص ہیں اور ان پر پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے' مگر اُسی نے اِن صفات میں اپنے پیغمبر سیّدنا سلیمان علیہ السّلام کو نہ صرف شریک کیا' بلکہ اس کا اعلان قرآن مجید کی اس آیت میں فرمایا هذا عطأُنا فامنن او امسِك بِغیر حِسَاب "یہ تم پر ہماری عطا ہے' اِسے مخلوق پر تقسیم کر دو یا روک لو تم سے اس کا حساب نہیں لیا جائے گا" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روکنے اور عطا کرنے کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السّلام کی طرف فرمائی' حالانکہ نسبت کے باوجود حقیقی عطا کرنا اور روکنا اُس کے قبضے میں ہے' مگر نسبتِ مجازی کرتے ہوئے حضرت سلیمانؑ کو عطا اور امساک کا مختار بنا دیا گیا' اِس آیت سے دو تین آیات اوپر فرمایا فسخّرنا له الرّیح تجری بامره رخاء حیث اصاب "اور ہم نے ہوا کو سلیمانؑ کے لیے مسخّر کر دیا جہاں وہ جانا چاہتے تھے اُس کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی۔" انسان' ذوی العقول پر تو پھر بھی کسی نہ کسی طرح حکم چلا سکتا ہے' مگر غیر ذوی العقول پر حکمرانی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے' اِس کے باوجود یہاں دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو (جو عقل و ہوش اور سماعت و بصارت سے خالی ہے) بھی اپنے بندۂ مقبول کے تابعِ فرمان بنا دیا' گویا حضرت سلیمانؑ کی خدمت کے لئے جو ہوا چلا کرتی تھی اُس پر براہِ راست حضرت سلیمانؑ کا حکم چلا کرتا تھا اور اِسے بھی کوئی شرک

نہیں کہہ سکتا کیونکہ قرآن مجید اِس کی گواہی دے کر اعلان کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور اپنی مرضی سے جو چیز اپنے کسی بندے کے تابعِ فرمان کر دے اُسے تسلیم کر لینا چاہئے اور اس پر شرک و بدعت کا فتویٰ نہیں داغنا چاہیئے۔ ہوا کا حضرت سلیمان علیہ السّلام کا تابع فرمان ہو جانا اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہو جانا، اس کے علاوہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ پر مختلف معجزات کا ظہور واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنا مقبول و محبوب بندہ ثابت کرنے کے لیے اُن کے تابع ہر چیز کو کر دیتا ہے' تا کہ دوسرے انسانوں میں اِن کو امتیاز حاصل ہو سکے۔ شیخ سعدیؒ نے اپنے ایک شعر میں اِسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا

تو ہم گردن از حکمِ داود مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ہز حکمِ تو ہیچ

ترجمہ: "اللہ کے حکم سے اے انسان تُو گردن نہ موڑ' کوئی چیز تیرے حکم کے آگے گردن نہیں موڑے گی۔"

یہ امر بھی مسلّم ہے کہ انبیاء و مرسلین اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے باوجود بھی اللہ نہیں' بلکہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور جو اللہ نہ ہو وہ غیر اللہ ہوتا ہے' لفظی معنیٰ کے لحاظ سے اللہ کی ذات کے علاوہ دوسری اشیاء پر غیر اللہ کا اطلاق درست ہے قرآن مجید میں خود اللہ نے انبیاء و مرسلین پر غیر اللہ کے الفاظ کا استعمال فرمایا غیر اللہ اور مِن دونِ اللہ میں معنوی وحدت ہے مثلاً اِس آیت ثُمّ یقول للنّاس کُو نُوا عباداًلّی

مِن دون اللّٰہ میں انبیاء کومن دون اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہوا جنّات اور بہت سی اپنی دُوسری مخلوق کو اُن کے تابع فرمایا اور نعمتوں کے قبض وبسط کا اختیار بھی دیا' جیسا کے ابھی ہم نے سلیمان علیہ السّلام کے حوالے سے آیتِ کریمہ پیش کی ہے۔معلوم ہوا کہ جولوگ انبیاء ومرسلین کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ من دون اللہ اور غیر اللہ ہیں' اِن کے اختیار میں کچھ نہیں دیا گیا' یہ بات سراسر غلط ہے' جس طرح انبیاء ومرسلین غیر اللہ اور من دون اللہ ہیں اِسی طرح اولیائے اُمّت بھی غیر اللہ اور من دون اللہ کی صف میں آتے ہیں' پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء ومرسلین پر تو خصوصی نوازشات اور معجزات کی شکل میں کرمِ خاص ہو' مگر دوسرے طبقہ کے لئے کوئی تخصیصی سلوک روانہ رکھا گیا ہو جنہیں اَلا اِنّ اولیاء اللّٰہ کے الفاظ سے قرآن میں یاد کیا گیا ' جبکہ انبیاء واولیاء یعنی عبادِ صالحین میں ولایت قدرِ مشترک کا درجہ رکھتی ہے' کوئی ایسا نبی یا رسول نہیں' جسے نبی یا رسول بنانے سے پہلے اللہ نے اپنی دوستی یعنی ولایت کے لیے چن نہ لیا ہو' ظاہر ہے رسالت جیسا عظیم مرتبہ کسی دُشمن کو تو نہیں دیا جاسکتا' دوست ہی کو دیا جاسکتا ہے۔معلوم ہوا کہ قرآن میں اللہ نے جن غیر نبی افراد کو اولیاء کے لقب سے نوازا ہے' وہ بھی اُس کے دوست ہیں اور انبیاء ومرسلین بھی اُس کے دوست ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اولیاء کو دعویٰ نبوّت کی اجازت نہیں دی گئی اور انبیاء کو مرتبۂ ولایت پر فائز ہوتے ہوئے نبوّت کے اعلان کا حکم دیا گیا۔پھر یہ کہ انبیاء کی دوستی کا مرتبہ اولیاء کی

دوستی سے بلند رکھا گیا' مگر دوست دونوں ہیں۔اب ہمارے ہاں اولیائے اُمّت کے لیے عبادِ صالحین کے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں۔مگر انبیاء ومرسلین کے لیے یہ الفاظ عرف میں نہیں بولے جاتے' حالانکہ صالحیّت دونوں میں مشترک ہے' یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر انبیاء کے لیے صالحین یا صالح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے لیے سیّدا وحصورًا و نبیًا من الصالحین کے الفاظ استعمال ہوئے' یعنی وہ سیّد، حصور اور نبی تھے صالحین میں سے۔اگرچہ مرتبۂ نبوّت عام صالحیّت کے مفہوم سے بہت بلند ہوتا ہے' مگر چوں کہ نبی کے لیے بنیادی شرط صالحیّت ہوتی ہے اِس لیے اُن کے مرتبۂ نبوّت کا ذکر کرنے کے بعد اُن کی اِس حیثیّتِ خاص یعنی صالحیّت کا بھی بطورِ خاص ذکر فرمایا ' جو وصفِ نبوّت کے لیے اساس کا درجہ رکھتی ہے گویا درجاتی فرق کے باوجود عبادِ صالحین اور انبیاء میں صالحیّت مشترک قرار پائی بالکل اِسی طرح درجاتی فرق کے باوصف انبیاء ومرسلین اور اولیائے اُمّت میں ولایت قدرِ مشترک ہوئی۔جب یہ بات ثابت ہوگئی تو انبیاء ومرسلین کے بعد ولایت سے سرفراز ہونے والے طبقے کے لیے بھی کچھ ایسی خصوصی نشانیاں ضرور ہونی چاہییں جو اُنہیں دوسرے غیر اولیاء افراد سے ممتاز ومميز کریں اور یہ عقلی تقاضا ہے۔رسالت وولایت میں فرقِ مرتبہ کے علاوہ یہ فرق بھی ہے کہ رسالت ونبوّت کے لیے جن افراد کو چنا گیا اُن کے ناموں کا اعلان بھی

کیا گیا، جبکہ ولایت کے لیے نامزد افراد کا نام نہیں لیا گیا، بلکہ اُن کے لیے صرف اولیاء اللہ کے الفاظ بولے گئے اور اُن کی نشانیاں بتادی گئیں۔ انبیاء ومرسلین کو معجزات دینے کا مقصد احکامِ الٰہیہ کی ترویج اور عقیدۂ توحید کی اشاعت تھا تاکہ جو لوگ اِس میں کچھ بھی شک کریں ان پر واضح ہو جائے کہ اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینے والا یہ طبقہ اللہ کی طرف سے اِس کام کیلئے مامور ہے نہ کہ از خود یہ کام کر رہا ہے۔ چنانچہ حسبِ ضرورت مختلف مواقع پر انبیاء سے معجزات کا ظہور ہوا اور اللہ نے اُن کی صداقت کو واضح کرنے کے لیے اُن کو اپنی بعض صفات کا مظہر بنایا کہ اُن کی زبان سے جو نکلتا وہ ہو کر رہتا، یہ وہ حقائق ہیں جو قرآن وسنّت سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہیں، جن کا انکار ایک مسلمان کے لیے ممکن نہیں۔ اِسی طرح اللہ نے دوسرے طبقہ یعنی اولیاء اللہ کو بھی انبیاء کی نیابت میں بعض خصائص سے نوازا، جسے ہم لفظِ کرامت سے تعبیر کرتے ہیں بزرگوں کے معتقد اسے جو معنیٰ اور جتنی فضیلت بھی دیں، اِس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس طبقہ کو دوسرے عام انسانوں سے ممتاز و ممیّز کرنے کے لیے بعض خصوصی انعامات سے نوازا جاتا ہے، تاکہ اشاعت اور خدمتِ دین کے سلسلے میں انہیں جہاں کوئی ضرورت پیش آئے اُن سے افادہ واستفادہ کرسکیں۔ وہ انعامات باطنی فیض رسانی ورتصرفاتِ روحانیہ کی صورت میں ہوں، بارگاہِ الٰہیہ میں دعا والتجا کی صورت میں یا پھر کرامات وخوارق کے انداز میں ظہور پذیر ہوں، بہر حال اللہ تعالیٰ اِن کو اِن کے اعمال

صالحہ اور اِنکی خالص بندگی واطاعت کے مختلف انداز میں خوشگوار صلے ضرور عطا فرماتا ہے ان کی ظاہری حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی، فارسی کے ایک مشہور صوفی شاعر بابا فغانی شیرازیؒ نے اپنے ایک شعر میں ایسے ہی روشن ضمیر حضرات کی موت وحیات کی نوعیّت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔

مردِ صاحب دل رسا ند فیض در موت وحیات
شاخِ گل چوں خشک گرد د وقتِ سرما آتش است

تشریح: ''دِل والا یعنی اللہ کا مقبول انسان اپنی حیات اور موت دونوں میں فیض دیتا ہے، جس طرح پھول کی شاخ سرسبز ہونے کی صورت میں پھول اگاتی ہے اور خشک ہونے کی صورت میں سردیوں میں آگ میں جل کر نفع دیتی ہے، اسی طرح بندۂ خدا اپنی ظاہری حیات میں خلقِ خدا کو اپنے فیوض سے بہرہ ور کرتا ہے اور موت کے بعد بھی اُس کا سلسلۂ فیض جاری وساری رہتا ہے''۔ یہاں تک تو انبیاء وصلحاء کے تصرّفات، معجزات وکرامات کے برحق اور قرآن وسنّت سے ان کے ثابت ہونے کا ذکر ہوا۔ اب ہم دوسری طرف آتے ہیں کہ بعض صوفیاء کے اقوال واشعار میں وہ مضامین جو بظاہر خود پسندی اور لاف زنی کی غمازی کرتے ہیں، کیوں بیان کیے جاتے ہیں، جیسا کہ اہلِ علم ودانش پر واضح ہے کہ اولیاء کی نسبت انبیاء ومرسلین کے حوصلے اور مقامِ ضبطِ احوال بہت بلند ہوتا ہے، انبیاء کمالِ قرب اور مظہرِ عنایاتِ الٰہیہ ہونے کے باوجود غیر معمولی

طور پر ضبط کی اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں' اگر اُن کی زبان پر کبھی کوئی ایسا مبنی بر تعلّی جملہ آ بھی جائے تو وہ تحدیثِ نعمت کی ذیل میں آتا ہے' جیسا کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا بیدی لواء الحمد و لا فخر اِس جملہ میں بیانِ حقیقت بھی ہے اور اپنے مالک کے کرم پر اظہارِ مباہات بھی۔ بقولِ مولٰنا حسرت موہانیؒ ۔

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کے پیشِ نظر بعض صوفیاء کی نظم ونثر میں ایسے مضامین بیان ہوئے' جن پر معترضین نے فخر ومباہات، خود پسندی اور لاف زنی کے اعتراضات وارد کیے۔ مگر اِن دعاوی کو خود پسندی ولاف زنی جیسے رکیک جذبات پر محمول نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ اُن کا یہ عمل بھی تحدیثِ نعمت کے ضمن میں آتا ہے' اگر معترض پر اللہ تعالیٰ اپنا کوئی خاص کرم فرمادے' جس کی بنا پر وہ ایسا کلام کرے' جس میں ایسے محلِّ نظر مضامین ہوں تو ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی' کیونکہ یہ اُس کے اور اُس کے مالک کے درمیان کا معاملہ ہے' لہٰذا بزرگانِ دین کے منظوم و منثور کلام پر خواہ مخواہ اعتراض کرنا مناسب نہیں۔ یہ بندے اور اُس کے ربّ کا معاملہ ہے' زیادہ سے زیادہ اگر ذہن ایسی باتیں تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے تو تسلیم نہ کریں' مگر اُن پر سُوقیانہ انداز میں تنقید کرنا اور اُن کا مذاق اڑانا بھی مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کے حق میں جسارت ہے' جس پر

اُن کا مالک کسی وقت بھی گرفت فرما سکتا ہے۔ اللہ کے فقیروں کو چھیڑنا اللہ کے عذاب اور اُس کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہے' کیونکہ جب اُس کا فقیر اپنے مالک کو آواز دیتا ہے تو پھر مالک اُس کی دادرسی ضرور فرماتا ہے' بقولِ راقم ایسے موقع پر اللہ کے فقیر کہہ اٹھتے ہیں۔

نخوت سے نہ یوں سر کو ہلاؤ' جاؤ
رستے میں پڑے کو مت ستاؤ، جاؤ
مالک کو بلا لے گا ابھی دے کے صدا
آنکھیں نہ فقیر کو دکھاؤ، جاؤ

دین اللہ کی ہے

بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے' جسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ دنیا کا عارضی بادشاہ جب اپنے کسی غلام کی غلامی سے خوش ہو کر اُس پر ایسا کرم فرمائے جو اور کسی پر نہ کیا ہو یا پھر اُسے وہ قربِ خاص عطا فرمائے' جو کسی کے حصے میں نہ آیا ہو' اگر شاہ کی اِس نوازشِ خاص پر اُس غلام کے منہ سے چند ایسے جملے نکل جائیں' جن میں فخریہ شان اور بادشاہ کے لطفِ خاص پر اِترا کر کلام میں ادّعا کا رنگ آ جائے تو اِسے کوئی معقول انسان معیوب نہیں سمجھتا' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ غلام کا یہ رنگِ ادّعا لاف وگزاف پر ہرگز مبنی نہیں' بلکہ اُس کی پشت پر شہنشاہِ وقت کی تائید موجود ہے' بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جن عبادِ خاص کی زبانوں سے ایسے مدّعیانہ جملے جن میں بظاہر فخر ومُباہات

ور تعلّی جھلکتی ہو اُن کو مالکِ حقیقی کے فضل خاص سے سمجھنا چاہیے اگر دنیا کے عارضی تاجدار کا کوئی مقرب غلام شاہی نوازشات دیکھ کر اِترا سکتا ہے تو مالکِ حقیقی کے بندگانِ خاص اُس کے فضل و موہبت اور اُس کے عطا فرمودہ نشئہ قرب میں جھوم کر سَقَانِي الحبُّ كأساتِ الوِصالِ کے نغمات کیوں نہیں گنگنا سکتے بایزید بسطامی ہوں یا منصور حلاج یا پھر حضرت عبدالقادر جیلانی ہوں' یہ گروہ محض اپنے مالک کے نعامات اور فضل کا دروازہ اپنے اوپر کھلا دیکھ کر اپنی نظم و نثر میں اِس کا اعلان کرتے ہیں ور ظاہر بین آنکھ اِن کلمات کو نہ جانے کن کن اسباب کا نتیجہ قرار دیتی رہتی ہے۔ البتہ س مرتبہ پر فائز دو طرح کے صوفی ہوتے ہیں' ایک وہ جو غلبۂ حال کے سبب مخصوص وقت میں ایسے کلمات کہہ بیٹھتے ہیں اور عالمِ صحو میں آنے کے بعد اپنے کہے ہوئے جملوں کو مغلوبُ الحال ہونے کا نتیجہ سمجھ کر توبہ و استغفار کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ مرتبے میں اُن صوفیاء سے کم ہوتے ہیں اور اُن کے اقوال کو شطحیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرا اعلیٰ ترین رُتبہ پر فائز صوفیاء کا وہ طبقہ ہوتا ہے' جو مغلوب الحال ہونے کے سبب ایسے کلمات زبان سے ادا نہیں کرتے بلکہ عالمِ باطن میں وہ خود کو ایسے کلمات کہنے پر مأمور پاتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اور پھر سکر و نشہ میں اُن کے منہ سے یا قلم سے وہ کلمات سرزد نہیں ہوتے' بلکہ عالمِ صحو و تمکین میں زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ اور پھر تا عمر اُن اقوال سے وہ رجوع بھی نہیں کرتے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اسی مقام کے آدمی

تھے' جیسا کہ معتمد و مستند صوفیاء کے علاوہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن کے مجموعہ ملفوظات ''مقابیس المجالس'' میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ انبیاء تو ویسے بھی اعلانات کے لئے مأمور و مأذون من اللہ ہوتے ہیں' صوفیاء کے اس خاص طبقہ کو باطنی طور پر ایسے کلمات ادا کرنے کا امر کیسے ہوتا ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے بے شمار صفاتی نام ہیں ہر مسمّٰی کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے۔ انہی میں سے ھو الباطن بھی ہے۔ اب ہم معترض سے سوال کرتے ہیں کہ ھو الباطن کا مفہوم کیا ہوگا' کیونکہ ظاہر کی طرح باطن بھی ایک باقاعدہ لفظ ہے اس کے معنی بھی ضرور ہوں گے اور ہونے چاہییں۔ اگر یہ معنیٰ لیا جائے کہ وہ ہر ظاہر کا باطن بھی ہے' کیونکہ کوئی ظاہر، باطن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر باطن کے لئے ظاہر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ھو الظاھر ھو الباطن کا معنی یہ ہوا کہ وہی ظاہر بھی ہے اور وہی اس کا باطن بھی۔ جیسے وحیِ جلی اور وحیِ خفی۔ وحیِ جلی کا باطن وحیِ خفی اور وحیِ خفی کا ظاہر وحیِ جلی ہے۔ وحیِ خفی غیر انبیاء کی طرف بھی کی گئی جس کا ثبوت قرآنِ مجید میں ہے فاوحينا الى اُمِّ موسٰى ''ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی''۔ اسی طرح واوحى ربك الى النحل تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔ یہاں وحی سے مراد یہ ہوگا کہ ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی اور شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ بات رکھ دی۔ اسی طرح باطنی ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے

بندگانِ مقرب کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ تم یہ اعلان کرو یا یہ بات کہو۔ اسی کو ہم اولیاء کے لئے مأمور و مأذون کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ایسے کلمات یا خیال کا ڈالنا شیطان کا کام بھی ہو سکتا ہے، صوفیاء کیسے تمیز کر سکیں گے کہ اُن کو یہ امر منجانب اللہ ہے یا ابلیس کا وسوسہ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ابلیس واوحی ربک الی النحل کے فرمان کے بعد شہد کی مکھی کی فطرت کو نہیں بدل سکا اور موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کی طرف کی جانے والی وحی کے بعد اُمِ موسیٰ کے دل میں اپنا وسوسہ نہ ڈال سکا، اسی طرح اللہ کی طرف سے کسی بندۂ خاص کے قلب پر اترنے والے کسی باطنی پیغام کو ابلیس کا باپ بھی تبدیل نہیں کر سکتا، اللہ نے خود ہی تو کہا تھا کہ سب کو ورغلا سکتے ہو مگر میرے خاص بندوں پر تمہارا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔ انَّ عبادی لیس لک علیھم سُلطٰن کی آیت اس بات پر شاہد ہے، جب اللہ اپنے کسی بندے کے قلب پر جلوہ گری فرماتا ہے تو اُس کا دل اُس کے انوار سے متجلّی ہو جاتا ہے۔ ایسے لمحات میں اگر کوئی جملہ بندے کی زبان سے سرزد ہو جائے، جو محلِ نظر ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سورۂ نمل میں اسی دقیق مسئلہ کا حل موجود ہے۔ فرمایا فلمّا جاءَ ھا نودی ان بورك من فی النّار و من حولھا سبحان اللہ رب العالمین یا موسی انه، انا اللّٰہ العزیز الحکیم۔ ''جب موسیٰ درخت کے پاس آئے تو ندا دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اِس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور

پاک ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اے موسیٰ! (سن بات یہ ہے) کہ میں ہی اللہ ہوں غالب اور باحکمت''۔ کیا اس آیت سے یہ مراد ہے کہ معاذ اللہ رب العزت کی ذات اس آگ یا درخت میں حلول کر چکی تھی؟ یہ سراسر غلط اور کلمۂ کفر ہے۔ البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کی صورت تجلّی فرمائی اور آگ سے آواز آئی کہ میں تیرا ربّ ہوں، اس کے باوجود اسے کوئی شرک نہیں کہہ سکتا۔ حسین بن منصور کے انا اللّٰہ کہنے کو بھی بعض حضرات نے اسی قبیل سے لکھا ہے۔ یہاں مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا، جو لطف سے خالی نہ ہوگا ۔

چہ شد گر آمدہ بانگِ اَنَا الحق از منصور　　　　کہ قطرہ مدّعیِ ذاتِ خود زیم نسبی ست

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر منصور کی زبان سے انا الحق کی آواز بلند ہو گئی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ قطرہ سمندر کے نسب کا ہونے کے سبب اپنے وجود کا اعلان کرتا ہے کہ میں بھی ہوں اور بقولِ غالبؔ

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ اَنا البحر　　　　ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا

پھر بھی یاد رہے

اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ انسان اُلوہیت کی مسند پر بیٹھ جائے اور خود کو حیّ قیوم سمجھنے لگے۔ انسان جس بلند سے بلند تر مرتبہ پر فائز بھی ہو جائے وہ اللہ کے دائرۂ عبدیت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اپنے تمام مراتب کی بلندیوں کے باوجود وہ ہر لمحہ ہر

معاملہ میں اُس کا دست نگر اور محتاج ہی رہتا ہے۔ کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو لوگ بعض صوفیا کی زبان سے صادر ہونے والے بعض کلمات کو کبر و غلو پر مبنی قرار دیتے ہوئے باطل اور خود ستائی پر محمول کرنے کی عجلت کرتے ہیں ان کو ذرا غور اور تأمل سے کام لینا چاہیے کہ اگر آگ یا درخت سے مخلوق ہونے کے باوجود انّہ ' انا اللّٰہ کی صدا بلند ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے، جسے کوئی مسلمان باطل قرار نہیں دے سکتا تو کسی وقت اگر ایک انسانِ کامل کی زبان سے جو اُس کی صفاتِ عالیہ سے بھی متصف ہو چکا ہو ایسا کوئی جملہ سرزد ہو جائے تو اُسے کس دلیل پر باطل اور کبر و نخوت کا آئینہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ آگ سے انّہ ' انا اللّٰہ کی صدا بلند ہو جانے کے باوجود موسیٰ علیہ السّلام نے درخت یا آگ کو خدا سمجھا اور نہ ہی اُس کی پرستش کی بلکہ اس کا مظہر سمجھ کے آواز سن لی، اسی طرح اولیائے اُمت میں سے کوئی اِس مقام کا حامل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ فضل سے اُسے اپنی کسی صفت کا مظہر بنا دے تو اُس کی ایسی تعجب انگیز باتیں سُن لینی چاہییں اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اُس پر اُسکے مالک کا خاص کرم ہے، مگر یہ درست نہ ہوگا کہ اُسے معبود سمجھ کر اپنی تمام حاجات و ضروریات کا مرجع تصور کر لیا جائے کہ معاذ اللہ اب میرے لیے یہ بندہ ہی خدا کے روپ میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایسی مبنی بر غلو عقیدت ہی اولیاء کے ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ چاہے ایسی بے بنیاد عقیدت کا تعلق کسی رسول سے ہو، صحابہ و اہلِ بیت سے یا اولیائے اُمت سے۔ شریعت اس کی

ہرگز اجازت نہیں دیتی، لہٰذا راقم الحروف کے بیان کردہ مفہوم کے تحت بزرگانِ دین و صوفیائے اُمت کے ایسے اقوال اور اشعار کو قلبی واردات پر محمول کرتے ہوئے لائقِ احترام سمجھنا چاہیے، یہ اُنکا اور اُن کے مالک کا معاملہ ہے، ہم اُن پر ایمان لانے اور اُن اشعار کے مفاہیم کو تسلیم کرنے کے شرعاً مکلف نہیں ہیں البتہ بندگانِ خاص کی نیتوں پر شک کرنا اور محض اپنی عقلِ ظاہر بین کے کہنے پر اُن پر ہتک آمیز جملے کسنا اور مذاق اُڑانا بھی درست نہیں۔ ہمارا چونکہ اس دنیا سے براہِ راست تعلق نہیں ہوا، نہ کبھی ہم نے دل کی دنیا کی طرف توجہ دی اور نہ تزکیۂ نفس کے اِس مرتبے پر فائز ہوئے لہٰذا ہمیں یہ قطعاً حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسے حقائق کا صرف اِسلئے انکار کر دیں کہ ہم اِن باطنی کوائف سے دوچار نہیں ہوئے حالانکہ اِس کائنات میں ایسے ان گنت حقائق ہیں جو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں، مگر نہ صرف یہ کہ وہ ہمارے احاطۂ علم و ادراک سے باہر ہیں، بلکہ ہمارے حاسۂ ذہن تک اُن کے ہونے کی بُو تک نہیں پہنچی، انسان کی یہ پرانی عادت ہے یا تو وہ ایسے افسانوں کو حقیقت سمجھ بیٹھتا ہے، جن کا حقیقت سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا اور دوسری طرف جب وہ عقلِ عیار کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو جن حقائق کو اُس کی آنکھ نہیں دیکھ پاتی اور جن کی کُنہہ تک اُس کی عقلِ نارسا نہیں پہنچ سکتی اُن حقائق کے وجود کا سرے سے انکار کر دیتا ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں اِس کائنات کو اپنی قدرتِ کاملہ کا شاہکار بنایا اور اِس میں انسان کو غور و تدبر کا حکم دیا، وہاں ساتھ

الطبیعیات اور مافوق الفطرت اُمور پر یقین رکھنے اور اُنہیں تسلیم کرانے کے لیے انسانی ذہن کی خاطر باقاعدہ وحی والہام کا سلسلہ شروع کیا اور ہر دَور میں انبیاء ومُرسلین مبعوث فرمائے تاکہ مادہ پرست ذہنوں اور محض عقلِ ظاہر کے پرستاروں کی ہدایت کا سامان بھی مہیا ہوسکے۔

مُسلمان سے اس کا انکار کیوں کر ممکن ہے؟

ایسے ہی بر خود غلط اور متکبّرین کی فہمائش کے لیے انبیاء کو حسبِ موقع وضرورت معجزات کی غیر کسبی طاقت سے سرفراز فرمایا گیا' تاکہ وہ عقل کے پرستاروں کو دکھائیں کہ آگ کا کام جلانا ہے' مگر جب آگ کا خالق اور اس میں حرارت وحدّت کی صفت رکھنے والا اللہ اُسکی حدّت وحرارت کے مزاج کو بدلنے کے لئے یَانَارُ کُونِي بردًا وَّسَلاَمًا عَلٰی اِبراھیمَ فرمادے تو آگ کے دہکتے انگارے اور لپکتے شعلے موجِ صبا کے جھونکے اور لعل وجواہر بن جاتے ہیں۔

آج بھی ایسے ذہن بکثرت موجود ہیں، جو خود کو مُسلمان بھی کہلاتے اور سمجھتے ہیں اور انبیاء ومُرسلین کے معجزات کا برملا انکار بھی کرتے ہیں، حالانکہ یہ معجزات نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہیں، مگر ایسے نام نہاد مفسّرین غلط تاویلات پیش کرتے ہوئے اُن مطالب ومفاہیم کا چہرہ مسخ کر دیتے ہیں بلکہ جنّات وملائکہ کے وجود کا بھی انکار کرتے ہیں، اور اُن آیات وکلمات کی دُور از کار تاویلات پیش کرتے ہیں' جن میں

اِن کا ذکر صراحتاً آیا اور جن آیات کو تشابہ کی ہوا تک نہیں لگی' بلکہ وہ آیاتِ مُحکمات ہیں۔ آج تک اُمّتِ مُسلمہ جن حقائق کو تسلیم کرتی آئی اور جو مطالب عہدِ رسالت سے لے کر نسل در نسل آج تک منتقل ہوتے آئے' کیا وہ سب غلط ہیں اور آج کے چند نام نہاد روشن خیال اور مغرب زدہ ذہنوں کے خود ساختہ مفروضات دُرست ہیں؟ (معاذ اللہ)

خُدا کی مار اِن کافربچوں کی اِس ڈھٹائی پر
ارے توبہ ارے توبہ خُدا بَن بَن کے بیٹھے ہیں

اور پھر اگر اِن حقائق سے انکار وہ انگریزی خوان طبقہ کرتا، جو قرآن وسنّت کے عُلوم اور اُن کے اسرار ونِکات سے بالکل نابَلد اور محروم ہے تو کوئی تعجب نہ ہوتا، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اِن حقائق اور مسلّمات سے وہ طبقہ انکار کرتے دیکھا گیا اور دیکھا جاتا ہے، جو ببانگِ دُہل خود کو قرآن وسُنّت کے علوم کا ماہر کہتا ہے، اِس طبقۂ منکرین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو علومِ اسلامیہ پر کثیر التصانیف ہیں۔ ان کی تحریر پہلودار ہونے کے ساتھ اپنی تہوں میں بے یقینی، انکار اور ارتیاب جیسا موذی مواد چھپائے ہوئے ہے' ہمارے نامور مفسّرین صوفیاء میں سے اگر کوئی کسی آیتِ کریمہ کی ایسی تشریح کردے' جو اِس طبقہ کے موافقِ ذہن نہ ہو تو فوراً تفسیر بالرّائے کا الزام عائد کردیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دیکھیے یہ فلاں مفسّر اہلِ سُنّت اور فلاں شیخِ وقت نے کس قدر بھونڈی تفسیر کی ہے، حالاں کہ ہمارے ہاں ایسی تمام تفاسیر کے مآخذ موجود

ہوتے ہیں جن کی کڑی ارشادِ رسولؐ، اقوالِ صحابۂ کرام یا فرموداتِ اہلِ بیتِ عظام میں سے کسی نہ کسی سے جا ملتی ہے، مگر یہ نام نہاد روشن خیال اور ماڈرن علماء انہیں خلافِ عقل قرار دے کر پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اپنے علم کا یہ حال ہوتا ہے کہ ضبطِ حرکات کے بغیر عربی کی عبارت تک نہیں پڑھ سکتے، اُن دوسرے علوم وفنون کا تو ذکر ہی کیا کہ جو قرآنی آیات کے مفاہیم ومطالب سمجھنے میں ممدّ ومعاون ثابت ہوتے ہیں یا تفسیرِ قرآن کرنے کے لئے جن کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔

آج اُمتِ مُسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت

خالی الذّہن ہو کر کسی موضوع پر کچھ لکھنا اور بات ہے اور ذہن میں کوئی خاص نقطۂ نظر رکھ کر کچھ تحریر کرنا بالکل اور بات ہے، کیوں کہ مسلمان کو قرآن وسنت عقیدہ دیتے ہیں نہ کہ کوئی خاص عقیدہ رکھ کر قرآن وسنت سے دُور از کار استدلال کیا جائے۔ آج اُمّت میں فساد وفتنہ کی بنیاد یہی من پسند طرزِ استدلال ہے، ہر مسلک نے اپنی الگ دکان کھولی ہوئی ہے، کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ عام مسلمان جو دینی تعلیم سے محروم ہے اور فکرِ معاش میں مبتلا ہے، وہ اس مختلف مسالک کے حیرت کدے میں انگشت بدنداں ہو کر کھڑا ہے، کہ وہ اب کدھر جائے، کسے حق پر سمجھے اور کسے باطل پر۔ سابق مصلحین اُمّت کی طرح حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے راہِ اعتدال اختیار کی، آپ نے مختلف نازک موضوعات پر قلم اٹھایا، قرآن وسنّت سے براہِ راست

استدلال کیا اور استدلال بھی ایسا کہ منصف مزاج اور ذی علم قاری داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، چونکہ پیر صاحبؒ کی نیّت درست تھی اور آپ چاہتے تھے کہ اختلافِ مسالک سے بالاتر ہو کر عقائد ومسائل کے لیے وہ حتمی فیصلہ پیش کیا جائے جو قرآن وسُنّت میں موجود ہے۔ اگر آپ کی تحریرات کو تعصب وعناد کی عینک اُتار کر پڑھا جائے تو بلا شبہ قاری کا ذہن منزلِ حق تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ کاش یہی طریقہ آج کے علماء اختیار کرتے، اپنی نیّتوں کو درست کرتے، اپنے مسلکوں کی بے جا رعایت چھوڑتے، حق کو حق اور باطل کو باطل تسلیم کرتے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ اُمّتِ مسلمہ اندرونی خلفشار سے نجات پا جاتی اور توحید ورسالت کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتی۔

حضرت شیخ المشائخ سیّد عبدالقادر جیلانیؒ اور دیگر تمام اکابر مشائخِ سلف نے اسی طرزِ حسن کو اپنایا اور عمر بھر عقائد ومسائل میں اُلجھی ہوئی اُمّت کو درست عقائد دے کر سلجھانے میں سرگرمِ عمل رہے ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

صوفیائے سلف کا نام آج بھی اتنا بلند ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک بلند رہے گا کہ انہوں نے جو کچھ کیا اپنے خالق ومالک کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا۔ اُس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے وہ تو وہ اُن کی قبروں کو بھی زندگی بخش دی اور اُن کے مزارات کو عوام وخاص کا مرجع بنا دیا۔ اس کے برعکس جن علماء ونام نہاد مصلحین قوم کی نیّتوں میں

فساد تھا، نہ انہیں اپنی زندگی میں عزّت ووقار بخشا گیا اور نہ مرنے کے بعد ان کا نام ونشان باقی رہا، حالانکہ وہ بھی خدمتِ دین کے مدّعی تھے اور اپنے زعم میں وہ بھی عمر بھر خلقِ خدا کی ہدایت کا سامان فراہم کرتے رہے، مگر مالک نے اُن کو اپنے بندگانِ خاص کی طرح مرجعِ خلق کیوں نہ بنایا؟ اِس کی حکمت مالک ہی بہتر جانتا ہے۔

آج ہزاروں مسلمان تبلیغِ دین کے میدان میں نکلے ہوئے ہیں، مسجدیں بھری پڑی ہیں گھر بار چھوڑ کر اشاعتِ دین کا فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے، بڑے بڑے اجتماعات دیکھنے میں آتے ہیں جس سے ان کی کثرت وشوکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مگر یہی مبلّغین گم نامی کی موت مرجاتے ہیں اور پسِ مرگ ان کی قبروں کا نام ونشان تک نہیں ملتا کہ فاتحہ ہی پڑھ لی جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں زندگیاں کھپانے والوں کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ اس کے برعکس دورِ تابعین سے لیکر آج تک کے اولیائے امّت اور علمائے خیر کے حالات پڑھ لیے جائیں اور اُن کے مقابر دیکھ لیے جائیں کہ کس قدر خلقِ خدا اُن سے واقف ہے اور اُن کے دلوں میں اُن کا کس قدر احترام ہے۔ بقولِ حافظ مظہر الدینؒ

جہاں جہاں سے وہ گزرے، جہاں جہاں ٹھہرے
وہی مقام محبّت کی جلوہ گاہ بنے

حافظ صاحب مرحوم کا یہ شعر اگرچہ نعتیہ ہے، مگر میں یہاں کچھ دیر کے لیے اِس

شعر کو حمدیہ قرار دیتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور تجلیّات جن عبادِ صالحین کے قلوب کو آباد کرتی ہیں وہ دل خلقِ خدا کے لیے جلوہ گاہ کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم بھی میری اس تشریح کی تائید کرتا ہے، کہ جس میں ارشاد ہوا إنَّ اللّٰهَ عزّ وجلّ يقولُ لَا يَسَعُنی اَرضِی وَلَا سمائی ولکن یسعُنی قلبُ عبدالمومن۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ارض وسماوٰت کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا مگر مؤمن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ بقول خواجہ میر دردؔ

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

اب اندازہ لگایئے جن انسانوں کے قلوب کو وہ اپنی تجلیّات کا مسکن بنا دے، خلقِ خدا ان کی طرف کیوں کر مائل نہ ہو اور یہ میلانِ خلقِ خدا اُن کی ظاہری حیات تک محدود نہیں رہتا، بلکہ بعدِ وفات اُن کی قبور کی زیارت بھی سامانِ سکون مہیا کرتی ہیں۔ بقولِ حافظ شیرازیؒ

بر زمینیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سال ہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بُود

جو شخص جس رنگ اور جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے، اللہ تعالیٰ پسِ مرگ اُس کے گرد وہی ماحول پیدا فرما دیتا ہے اس کی مثالِ زندہ آج بھی لاہور میں دیکھی جاسکتی

ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کے مزارِ پُر انوار کے گرد قرآن خوانی، درود خوانی، صوم وصلوٰۃ اور بندگی وطاعت کا ماحول نظر آتا ہے، جو رات دن بدستور قائم ہے، ہزار سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے مگر ہر طرف سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ ہر آنکھ اشکِ ندامت لیے اپنے مالک کے حضور خاموش التجاؤں میں مصروف نظر آتی ہے۔ ذہن دنیا کی آلائشوں سے پاک ہو کر داتا صاحبؒ کے ہاں حاضری کے لیے جسمانی طہارت و وضو کے ساتھ باطنی طہارت کا اہتمام کرنے کی کوشش کرتا ہے، سراپا خلوص وتواضع بن کر حاضر ہونا بقولِ بیدلؔ ضروری سمجھتا ہے۔

خداست حاصلِ خدمت گزینِ درویشاں
مکار غیرِ جبیں در زمینِ درویشاں

"یعنی درویشوں کی خدمت کرنے والوں کا حاصل (نتیجہ) اللہ ہے۔ اس لیے (اے زائر) درویشوں کی زمین میں اپنی پیشانی (نیازمندی) کے علاوہ کچھ کاشت نہ کر۔"
اِس کے برعکس سلطانِ ہند جہانگیر کے مقبرہ کی طرف ذرا دیکھیں۔ نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ کوئی قرآن خواں، نہ عبادات کا وہ مقدس ماحول، نہ زیارتِ قبور کے وہ آداب، بلکہ نوجوان جوڑے رنگ رلیاں مناتے، شرابِ نجس کے جام چڑھاتے اور بازاری گیت گاتے نظر آتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ جہانگیر اور اس جیسے سلاطین نے زندگی میں اپنے گرد یہی ماحول قائم کیے رکھا۔ قدرت نے اُن کی موت کے بعد بھی اُن کی قبروں کو عیاشی اور فحش پن

کا مرکز بنا دیا۔ ہندوستان بھر میں سلاطین کی قبور کی ویرانی اور اولیائے امت کی دائمی سلطانی کا رنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد بھی اگر کوئی صوفیاء اور سلاطینِ دنیا کے درمیان پایا جانے والا واضح فرق نہ سمجھ سکے تو اُس کی نالائقی وجہالت پر ہزار بار افسوس ایسا انسان' انسان نہیں بلکہ حیوانوں سے بھی گیا گزرا ہے۔

خلاصۃ المرام

ہم نے اپنے مقالے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے جن مواعظ کے اقتباسات مع ترجمہ پیش کیے ہیں۔ اُن کی شخصیت کو اُن کی تعلیمات کے آئینے میں دیکھنا اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اس حوالے سے نبوّت و رسالت کے امین ونائب کی حیثیت سے مطلعِ عالم پر اُبھرتے ہیں اور نیابتِ انبیاء ہی دنیا میں سب سے بڑا منصب ہے۔ انہیں محض "گیارھویں والا پیر" سمجھ کر اُن کے نام پر گیارھویں کی رُقوم اور نذرانے ہتھیانا شیخ کو کیش کرانا ہے، جو شیخؒ سے عقیدت نہیں' بلکہ محض مطلب برآری ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان یا بیرونِ ملک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا کوئی ایسا پوتا نظر نہیں آتا (الاّ ماشاء اللہ) جو اُن کی صحیح تعلیمات کی روح عوام تک پہنچائے اور بتائے کہ شیخؒ کس مقام کے انسان تھے اور آج کس بے دردی سے ان کے مریدین ومتوسّلینِ سلسلہ اور ان کی اولاد ہونے کے مدّعی حضرات اُن کو لوٹ رہے ہیں۔ صرف گیارھویں پک رہی ہے، پیٹ پوجا ہو رہی ہے

'اپنی تجوریاں ان کے نام پر بھری جا رہی ہیں اور خلقِ خدا کو عقیدت کی اوٹ میں بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ آج ہر سلسلے کا پیر اور مُرید گیارہویں کے نام پر لوگوں کو لُوٹ رہا ہے۔ کیا کوئی ایسا مردِ آزاد بھی ہے' جسے نذرانے بھی اُن کے نام پر ملیں، مگر وہ خلقِ خدا کو اُن کے مبنی بر توحید پیغامات سے آشنا بھی کرے اور انہیں یہ بتائے کہ پیرانِ پیر کو ماننے والو! پیرانِ پیر کی بھی مانو۔ مزید برآں اس حقیقت سے بھی عوام اہلسنّت کو روشناس کرانا ضروری ہے کہ ہمارے نیم علم رکھنے والے واعظین نے جن افسانوں کے بیان پر اساسِ معاش و معیشت رکھی ہوئی ہے' وہ عقائد کس قدر کھلے اور مشرکانہ ہیں اور حضرت پیرانِ پیرؒ کی تعلیمات اور آپ کے مواعظِ حسنہ کے مطالبِ عالیہ سے کس قدر دور ہیں۔ آخر میں بارگاہِ مجیب الدّعوات میں دُعا ہے کہ اللہ کریم مُجھے اور آپ سب کو حضرت پیرانِ پیرؒ کی ذات کا اُن کی مستند اور موثر تعلیمات کے حوالے سے متوالا بنائے' جو اُنہوں نے اپنی مستند تصانیف اور مواعظ میں بیان فرمائی ہیں۔

آمین بحرمتِ سیدالمُرسلین

علیہِ الصّلوٰت وَالتّسلیماتْ

اِلٰی یومِ الدِّین